ہفت روزہ
ذوالفقار
کراچی
۲، فروری ۱۹۷۹ء

فیصلے کے انتظار میں

صفحہ ۷ پر ملاحظہ فرمایئے

قیمت ۵/ روپے

قارئین سمجھتے ہیں

بلوچستان سے یہ سلوک کیوں؟

سیلر حمید علی خان کا مضمون "بلوچستان کے محنت کش اور پنجاب" نظر سے گزرا جس سے ایک حد تک تو اتفاق کیا جا سکتا ہے مگر کچھ ایسی باتیں ہیں جو سمجھ میں نہیں آتی ہیں مثلاً بقول ان کے فوجی جوانوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ بلوچستان میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کریں محنت کش کیوں متحد نہیں ہو سکتے اور ایک قبائلی ایک عدد اسٹین گن سے پوری پلاٹون کا صفایا کرتا ہے

جہاں تک بلوچستان میں ظلم و استحصال کا تعلق ہے مضمون نگار کی بات سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا لیکن میں مضمون نگار سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ فوج کیوں مجبور ہے فوجی جوان پنجاب کو چھوڑ کر بلوچستان میں آ کر یہاں کے سرسبز جنگلوں اور لہلہاتے کھیتوں کو کیوں تباہ برباد کر دیتے ہیں بالی کو ان کے جگر گوشوں سے جدا کیوں کر دیتے ہیں بیویوں کو بیوہ کیوں بنا دیتے ہیں بہنوں کو اپنے بھائیوں سے جدا ہونے پر کیوں مجبور کر دیتے ہیں۔

بلوچستان کے قبائلیوں نے پنجاب میں جا کر پنجاب کے جوانوں پر ظلم نہیں ڈھایا ہے میں مضمون نگار سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ حق بجانب کون ہے جب ہم اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرتے ہیں تو فوجی جوان ہماری اس آواز کو دبانے کے لیے ہتھیار اٹھاتے ہیں اور اس کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔

پاکستان کے قیام سے لے کر آج تک ہر حکومت کے دور میں بلوچ عوام نے اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کی اور قربانیاں دیں اور جب فوجی جوانوں نے ہماری آواز کو دبانے کے لیے طاقت استعمال کی تو پنجاب خاموش رہا مگر اس کے باوجود ہمارا حوصلہ بلند رہا اور ہم ثابت قدمی سے آگے بڑھے جب بھٹو حکومت نے کراچی اور لاہور میں گولیاں چلائیں تو پنجاب نے فوراً بھٹو حکومت کو اقتدار سے ہٹایا۔

باقی رہا قومیتوں کا سوال میرے نزدیک قومیت سے مراد قوم کے رہنے کے لیے ایک علاقہ کی ضرورت ہے اس کی ایک تاریخ ہو، ثقافت، تہذیب، زبان ہو، نفسیاتی ساخت ہو اور مشترکہ معاشی مسائل ہوں، پاکستان میں قومیتوں کا سوال بہت اہم ہے مگر بدقسمتی سے قومیتوں کا نام لینا بھی حرام قرار دیا گیا ہے صوبائی خودمختاری دینے کے بجائے صوبوں کو یتیم سے یتیم تر بنایا جا رہا ہے اگر بنگالیوں کی زبان ثقافت تہذیب، تاریخ وغیرہ کو پامال نہ کرتے تو مشرقی پاکستان آج بنگلہ دیش نہ بنتا۔

ہم علیحدگی پسند نہیں ہیں ہم اس ملک کو باقی رکھنا چاہتے ہیں اگر پاکستان کے مزدوروں، کسانوں دانشوروں کو یہ ملک رکھنا ہے تو قومیتوں کو تسلیم کریں سامراج کو دیس سے نکال دیں تاریخ سے سبق سیکھیں۔ اپنے بلوچ بھائیوں سے اس طرح بے نیاز نہ رہیں ہم صدیوں سے چاروں صوبوں کے فاقہ زدہ محنت کش لوگوں کو متحد کرنے کے لیے کوشاں ہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آج بلوچ عوام اکیلے نہیں ہیں پنجاب سندھ اور سرحد کے مظلوم عوام ان کے ساتھ ہیں ہم اس وقت تک جدوجہد جاری رکھیں گے جب تک اس ملک میں ظلم و استحصال اور ناانصافیاں ختم نہ ہوں اور تمام قومیتوں کو اپنے بنیادی جمہوری حقوق حاصل نہ ہوں۔

پاکستان کے محنت کش طلباء مزدور اور دانشوروں کا اتحاد ہمیشہ زندہ رہے گا۔

حسرت بلوچ۔ ملیر کراچی۔

جیل سے ایک خط

جب میں جیل میں آیا تو میٹرک کا طالب علم تھا میری عمر پندرہ سال تھی میں نے جیل میں آنے کے بعد بھی اپنی تعلیم جاری رکھی اور اس سال بی اے فائنل کا امتحان دے چکا ہوں میں نے جیل میں اپنی سزا کے سات سال مکمل کر لیے ہیں جیل اور اسپیشل معافی ملا کر تقریباً ساڑھے آٹھ سال کی معافی ہو چکی ہے اس طرح سزا اور معافی کو ملا کر ساڑھے پندرہ سال سزا کاٹ چکا ہوں جبکہ عمر قید کی سزا کی مدت ۲۴ سال معافی سے ہوتی ہے مجھے سزا پرانے قانون کے تحت دی گئی تھی اور نیا قانون ۱۴ اپریل ۱۹۷۲ء سے نافذ کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں چند ماہ قبل پاکستان بار ایسوسی ایشن کے صدر چوہدری محمد اسمٰعیل نے موجودہ حکومت سے عمر قید کو دوبارہ ۱۴ سال کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ مقامی اخباروں سے معلوم ہوا کہ حکومت نے یہ مطالبہ منظور کر کے عمر قید ۱۴ سال کر دی ہے لیکن اس کے باوجود اس پر عمل نہیں ہوا۔ ۱۲ ستمبر کے روزنامہ آغاز کراچی، ۱۳ ستمبر کے روزنامہ مشرق اور ۲۴ ستمبر کے روزنامہ آزاد لاہور میں اس کی خبریں شائع ہو چکی ہیں

طالب علم محمد ارشاد ولد شیر بہادر بیرک نمبر ۲۳ کراچی جیل۔

جماعت اسلامی اور افغانستان

جماعت اسلامی ہمسایہ ممالک کے ساتھ پاکستان کے تعلقات خراب کرنا چاہتی ہے وہ ایران اور افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہی ہے افغانستان میں جماعت اسلامی کے مسلح دستے برسرپیکار ہیں ان کے لیے اسلحہ گولا بارود اور دیگر امداد مہیا کی جا رہی ہے

افغانستان سے تقریباً ایک لاکھ افراد ہجرت کر کے پاکستان آئے ہیں ان میں سے ۹۵ فیصد کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے یہ لوگ عسکری تربیت یافتہ ہیں اور خودکار ہتھیار سے مسلح ہیں بعض اسلحہ یہ لوگ ساتھ لائے ہیں اور بعض اسلحہ مقامی جماعت اسلامی نے ان کو فراہم کیا ہے۔

باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ جماعت اسلامی نے ان لوگوں کے لیے شناختی کارڈ بھی بنوا لئے ہیں اور انتخابی فہرستوں میں ان لوگوں کے نام بھی درج کرائے ہیں جماعت کو خطرہ ہے کہ بھٹو کو پھانسی ہونے کے بعد صوبہ سرحد میں مزدور کسان تحریک سر اٹھائے گی جس کے لیے جماعت ان لوگوں کو استعمال کرے گی اس مقصد کے لیے جماعت نے چترال اور باجوڑ ایجنسی میں گوریلا ٹریننگ کے لیے ہیڈ کوارٹر بھی قائم کر لیا ہے۔

محمد انور جمعیت طلبائے اسلام (ہزاروی گروپ صوبہ سرحد)

لاہور میں بھٹو کی سالگرہ

گلبرگ لاہور میں قائد عوام کی سالگرہ کے موقعہ پر پاکستان پیپلز پارٹی گلبرگ کا اجلاس زیر صدارت شاہین بٹ جنرل سیکرٹری رابطہ کمیٹی لاہور منعقد ہوا جس میں ۵۱ پونڈ کا کیک کاٹا گیا اجلاس میں مرسلین ڈار جبریل قمر، حاجی جاوید، چیئرمین اعظم ظہیر عباس محمد یاسین، جابر حسین نے شرکت کی۔ رات کو چراغاں کیا گیا

دوسرا اجلاس خواتین کا ہوا جس کی صدارت بیگم خورشید طفیل بٹ نے کی اور انہوں نے کیک کاٹا اس اجلاس میں بیگم اشرف طلعت، شہناز بیگم شاہین حمیدہ بیگم، عفت، بیگم اظہر حسین نے شرکت کی بعد میں چیئرمین بھٹو کی رہائی صحت یابی اور جمہوریت کی بحالی کے لیے خصوصی دعائیں مانگی گئیں

شاہین بٹ جنرل سیکرٹری
پاکستان پیپلز پارٹی گلبرگ لاہور

سعودی عرب کے اخبار کی زہر فشانی

حال ہی میں اخبارات میں سعودی عربیہ کے اخبارات کی کچھ خبریں شائع ہوئی ہیں یہ خبریں پاکستان کے سابق وزیر اعظم جناب بھٹو صاحب کے بارے میں تھیں ۲۲ جنوری کو مدینہ اخبار نے جو تبصرہ شائع کیا اور جسے ہمارے اخبارات نے بھی نقل کیا پڑھ کر بے انتہا دکھ ہوا۔ کیونکہ مدینہ اخبار سعودی حکومت کے کنٹرول میں ہے اور اس کی پالیسی حکومت کی پالیسی ہے

اخبار کا تبصرہ جو کہ سارا جناب بھٹو کے بارے میں تھا بے بنیاد جھوٹ اور لغو تھا اس کا انداز بھی جماعت اسلامی والوں سے ملتا جلتا تھا ہمیں سعودی عربیہ حکومت سے اس بات کی توقع نہیں تھی کیونکہ سعودی عربیہ کی سرزمین حق کی زمین ہے شاہ فیصل مرحوم کی سرزمین ہے جنہوں نے مرتے دم تک سچ کا علم بلند رکھا اس سرزمین سے ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ جناب بھٹو کو اسلامی کانفرنس کا چیئرمین بھی اسی عظیم شخص نے بنوایا تھا اس وقت جب کہ جناب بھٹو کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے اس اخبار میں ایسا شرمناک تبصرہ قابل مذمت ہے ہم سعودی کے اس جماعتی پروپیگنڈے کی سخت لفظوں میں مذمت کرتے ہیں اور سعودی حکومت سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے اخباروں کو لگام دے۔

بہاؤالدین جتنہ رتوڈیرو سندھ

دفترِ رابطہ

الفتح

مطبوعات

ذوالفقار

چیف ایڈیٹر، سید اظہر گیلانی

۶۹۔ ڈی ۵۔ نرسری کمرشل ایریا۔ پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس کراچی ۲۹ ——— ٹیلیفون نمبر: ۴۳۲۲۷۴

مدیرِ اعلیٰ (اعزازی)
ارشاد راؤ

مدیر
واحد بشیر

وقائع نویس
منہاج برنا شبیہہ الحسن

کالم نگار
حسین نقی

انتظامی امور
حاجی عدیل

سرورق
سعید الدین حسین

۲ فروری سنہ ۱۹۷۹ء

شمارہ: ۶۸۵

قیمت ۵ روپے

خاصِ مضامین

۱ : مشیروں کی خدمت، مریدوں کے مشورے ——— منہاج برنا ——— ۵

۲ : نورالدین کیانوری کا انٹرویو ——— ۱۰

۳ : ڈاکٹر اعزاز نذیر سے انٹرویو ——— میاں محمد شریف زاہد ——— ۱۳

۴ : سوویت یونین اور افغانستان سے دوستی ——— معراج محمد خان ——— ۱۷

۵ : ایران کی اقتصادی صورتحال ——— جائزہ ——— [illegible]

۶ : ایپنک کا تاریخی کنونشن ——— احفاظ الرحمٰن ——— ۲۶

نمائندے

اسلام آباد ○ ذوالفقار حیدری
آزاد کشمیر ○ سید نذیر گیلانی

صوبائی نمائندے

سندھ ○ مقیم نواب شاہ ○ محمد نواز خلجی
پنجاب ○ مقیم لاہور ○ کاشف
سرحد ○ مقیم پشاور ○ خلیل خان خٹک
بلوچستان ○ مقیم کوئٹہ ○ ناصر عرفات

ضلعی نمائندے

حیدرآباد ○ مدد علی بلوچ
تھرپارکر ○ محبوب احمد
سانگھڑ ○ ایاز سندھی
سکھر ○ ارشد حسین
ٹنڈوالہ یار ○ کامل سموں
ملتان ○ ناصر زیدی
گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ غیاث الدین جانباز
فیصل آباد ○ طارق سعید
گجرات ○ میاں محمد شریف زاہد
میانوالی ○ روشن ملک
سرگودھا ○ الطاف چغتائی
وہاڑی ○ احسان ملک
گوادر ○ سلیمان شیروف

بیرونی ممالک

پیکنگ ○ رشید بٹ
ماسکو ○ محمد زاہد
کینیڈا ○ سعید بن سعود
لندن ○ عبدالحفیظ قریشی
یورپ ○ فاروق طارق
دوبئی ○ غلام جیلانی
کویت ○ ملک نذیر

پبلشر، پرنٹر، اے اے گیلانی نے سید پریس گھوٹکی سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ ذوالفقار گھوٹکی سے شائع کیا

آزادی اور انصاف کے ساتھ مذاق

ہم پاکستانیوں کی اکثریت بہ یک وقت خوش نصیب بھی ہے اور بدبخت بھی۔ خوش نصیب اس اعتبار سے کہ وہ اپنے عہد کی تاریخ مرتب کر رہے ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس ملک کو وجود میں لانے کے لئے نہ صرف عملی سرگرمیوں میں حصّہ لیا بلکہ بے شمار اور بے مثال قربانیاں دیں۔ ان سے بھی زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اس ملک کو بنتے دیکھا۔ اور بدبختی یہ ہے کہ انہی لوگوں نے اس ملک کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا۔ وہ ملک جو آزاد انسانوں کی طرح زندہ رہنے کا حق حاصل کرنے کے لئے وجود میں لایا گیا تھا آج اسی ملک میں لوگ اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہیں اور ایسے حالات سے دو چار ہیں جو کسی بھی مہذّب معاشرے کے لئے ندامت ہی کا سبب بن سکتے ہیں۔

بعض اوقات یہ المیہ بالواسطہ طور پر سامنے آتا ہے اور ان لوگوں کے احساس پر تازیانے کا کام دیتا ہے جن کے لئے ملکی اور قومی مفاد اور احترامِ انسانیت ان کی اپنی ذات اور ذاتی مفادات سے زیادہ اہم ہے۔ اسی طرح کی ایک صورتِ حال اس وقت سامنے آئی جب سپریم کورٹ آف پاکستان میں مسٹر ممتاز علی بھٹو اور مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ کی نظر بندی کو ناجائز قرار دینے والے سندھ ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف حکومتِ سندھ کی اپیل کی ابتدائی سماعت ہوئی محترم چیف جسٹس نے قانون اور انصاف کی اس اصول کی نشاندہی فرمائی کہ "کسی شہری کو آزادی سے ایک دن کے لئے بھی محروم کرنا سنگین جرم ہے۔" اور ایڈوکیٹ جنرل سندھ نے یہ حقیقت بیان فرمائی کہ اس نوعیّت کی سینکڑوں درخواستیں عدالتوں میں زیرِ سماعت ہیں اس طرح قانون اور انصاف کے تقاضوں اور حکومتِ وقت کے اقدامات کے درمیان تضاد پوری شدّت کے ساتھ اُبھر کر سامنے آیا ہے۔

یہ حقیقت اس صورت میں اور زیادہ تکلیف دہ بن جاتی ہے کہ یہ کوئی ہنگامی اور وقتی صورتِ حال نہیں ہے نہ ہی اس کا دائرہ صرف مارشل لآ کے دور تک محدود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ موجودہ مارشل لآ کے دور میں سیاسی اختلافات کی بنیاد پر جتنے کوڑے برسائے گئے ہیں شاید جدید دور میں کسی بھی ملک میں اور کسی بھی دور میں نہیں برسائے گئے ہیں۔ بہر حال یہ ایک ایسا موضوع ہے جو ہماری تاریخ کا ایک تاریک پہلو بن چکا ہے۔ اپنی پوری شدّت کے باوجود یہ ایک عارضی صورتِ حال ہے۔ لیکن مستقل صورتِ حال یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے ابتدائی برسوں کو چھوڑ کر باقی سارے وقت امتناعی قوانین کی تلوار اختلافِ رائے رکھنے والے سیاسی کارکنوں، دانشوروں، صحافیوں، طالب علموں، کسان اور مزدور کارکنوں کے سر پر لٹکتی رہی ہے اور اس تمام عرصے میں ملک کے تمام جمہوریت پسند اور ترقی پسند عناصر ان قوانین کے خاتمے کا مطالبہ کرتے آئے ہیں۔ یہ مطالبہ نہ صرف یہ کہ آزادی اور انصاف کے مسلّمہ اصولوں کے مطابق ہے بلکہ محترم چیف جسٹس کے ارشاد کے مطابق ملک کے مروّجہ قوانین کے بھی عین مطابق ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ حکمران اس حقیقت کا نوٹس بھی لیتے ہیں یا نہیں، اور اسلام کے نام پر وہ جن تبدیلیوں کا اعلان کرنے والے ہیں اس میں غیر انسانی، غیر اخلاقی اور انصاف و قانون کے منافی امتناعی قوانین کی طرف کیا رویّہ اختیار کرتے ہیں۔ ہم ہر تبدیلی کو اسی معیار پر پرکھیں گے۔

■■

پرانی سیاست گری خوار ہے

منہاج برنا

ضیاالحق صدر بننے کے لئے ریفرنڈم کرائیں گے؟

****

مشیروں کی خدمت، مریدوں کے مشورے، اللہ قوم پر رحم کرے

کیا چند تعزیرات کا نام اسلامی نظام ہے

پرانی کہاوت ہے کہ پیر خود نہیں اڑتے ان کے مرید انہیں اڑاتے ہیں سیاست کے میدان میں مریدوں کا کردار آج کل مشیر انجام دیتے ہیں صدر جنرل ضیاء الحق کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے سیاسی مشیروں کی کمی نہیں وہ آئے دن انہیں "قیمتی" مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں جہاں تک ان بیش بہا مشوروں کے نتائج کا تعلق ہے وہ پوری قوم کے سامنے ہیں جب وہ برسر اقتدار آئے تو انہیں مشورہ دیا کہ نوے روز میں انتخابات کرانے کا اعلان کر دیجئے بعد میں کچھ دوسرے مشیروں نے کہا یہ تو گڑبڑ ہوگئی کہیں واقعی نوے دن میں الیکشن کرا دیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے لہذا حضور انہیں ملتوی کیجئے کیونکہ پیپلز پارٹی کے دوبارہ منتخب ہو جانے کا اندیشہ ہے انتخابات کے نتائج مثبت ہونے چاہئیں اس لئے پہلے سیاست دانوں (صرف پیپلز پارٹی کے سیاستدانوں) کے احتساب کا عمل شروع کیجئے جب اس سے فارغ ہو لیں تو پھر اسلامی نظام نافذ کیجئے پھر اگر ضرورت پیش آئے تو الیکشن بھی کرا دیجئے گا اس وقت تک قوم پوری طرح صالح اور دیندار ہو چکی ہوگی پھر الیکشن کے نتائج بھی صالح اور مثبت برآمد ہونگے

چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مشوروں پر عمل شروع کر دیا گیا بعد میں کسی نے یہ مشورہ دیا کہ لوگ شہری آزادیوں کا مطالبہ کر رہے ہیں سیاسی سرگرمیوں کی آزادی چاہتے

ہیں ایسا کیجئے کہ فوجی افسروں اور تکنیکی ماہرین کی کابینہ ختم کر کے ایک سویلین یعنی شہری کابینہ مقرر فرمایئے لوگوں کے اعتراضات کی پروا نہ کیجئے۔ وہ کہیں گے کہ بغیر انتخابات کے پی این اے کے لیڈروں کو وزارتیں کیسے بخش دی گئیں نامزدگیاں جمہوری اصولوں کے منافی ہیں لوگ اس نوع کی بکواس کرتے رہیں گے آپ اس کا مطلق خیال نہ کیجئے اپنا دل میلا نہ کیجئے، بسم اللہ کیجئے اور جو گزشتہ الیکشن میں چار سیٹیں بمشکل سے جیت سکے انہیں چار وزارتیں الاٹ کر دیجئے یہ عین اسلام ہے عین جمہوریت ہے اور ہاں خاص طور سے جماعت اسلامی کا خیال رکھیئے گا یہ خاص توجہ کی مستحق ہے ایک عرصہ تک اپنی پاکستان دشمنی اور قائد اعظم کی کھلم کھلا مخالفت کی وجہ سے پاکستان کے مسلمان اس کے شدید مخالف ہیں ان کے لئے مارشل لا کی آب و ہوا ہی سازگار ہوتی ہے سابق مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے بعد وہاں کے بڑے افسر بریگیڈیر راؤ فرمان علی اور جنرل نیازی نے بھی ان کا خاص خیال رکھا تھا اس وقت بھی مارشل لا نافذ تھا انہیں وہاں بھی بغیر انتخاب جیتے وزارتیں سپرد کر دی گئی تھیں۔

چنانچہ آپ نے دیکھا کہ موجودہ حکومت کے مشیران کرام کے مشوروں پر یکے بعد دیگرے عمل ہوتا رہا لیکن بقول میر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ مسائل حل ہونے کے بجائے بڑھتے گئے بلکہ پیچیدہ ہوتے گئے۔ آئینی بحران سیاسی بحران، اقتصادی بحران اور پھر منطقی نتیجہ کے طور پر معاشرتی اور نفسیاتی بحران اور اس پر مستزاد علاقائی بحران یعنی ہمارے پڑوس افغانستان اور ایران میں سیاسی کھلبلی نے ہمارے حکمرانوں کے اوسان مزید خطا کر دیئے۔ ادھر خود سیاسی جماعتوں کے اس محاذ میں شگاف پڑنا شروع ہو گئے جس کے سہارے ارباب حل وعقد "پبلک کے بے حد اصرار پر" قومی خدمت انجام دے رہے ہیں یعنی پاکستان قومی اتحاد یعنی پی این اے سے پہلے ایئر مارشل کی تحریک استقلال علیحدہ ہوئی۔ پھر شاہ احمد نورانی کی جمعیت نے اسے الوداع کہا۔ پھر پاکستان کی بانی جماعت مسلم لیگ ملک کی طرح خود بھی دو لخت ہوگئی اب کیا کیا جائے؟ پوچھا ارباب حل وعقد نے۔ مشیروں نے جواب دیا۔ ہر مرض کی دوا ہے صلِ علیٰ محمد" بس یہ اعلان کر دیجئے کہ ہم نظام اسلام قائم کر رہے ہیں۔ مشورہ دیا گیا کہ نومبر میں اعلان کر دیجئے تاریخ کا استخارہ کچھ زیادہ مسعود نہیں تھا لہذا

جماعتِ اسلامی مارشل لا کی آب و ہوا میں پھلتی پھولتی ہے!

بعد میں بارہ ربیع الاوّل کی تاریخ مقرر کی گئی۔ اب یہ تاریخ قریب آ رہی ہے۔ یہ نظام اسلام کیسا ہوگا کیا خلفائے راشدین کے دور کا نظام اسلام ہوگا یا جماعت اسلامی برانڈ کا جس کا تصورِ اسلام صرف چند تعزیرات اسلامی کے نفاذ تک محدود ہے یا مسلمانوں کو کافر قرار دینے سے عبارت ہے جو خدا اور رسول سے زیادہ مولانا مودودی اور مولانا طفیل محمد پر ایمان لانے کو اسلام کی پہلی شرط قرار دیتے ہیں یہ بات الگ ہے کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم یا اس ملک کے اہلِ اسلام کی اکثریت خود مولانا مودودی اور ان کے پیروکاروں کے ایمان کو مشتبہ نظروں سے دیکھتی ہے مولانا حسین احمد مدنی سے لیکر متعدد اکابر علماء ان کے مسلک کو اسلام کے منافی گردانتے رہے ہیں تو جناب یہ نظام اسلام کیا ہوگا اللہ ہی بہتر جانتا ہے کیا یہ ملک کے موجودہ آئینی سیاسی اور اقتصادی بحران کو حل کر سکے گا اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ خود وہ لوگ جو بارہ ربیع الاوّل کو نظام اسلام نافذ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ کس کمیت اور کیفیت کا اسلام نافذ کر پائیں گے شریعت بنچیں قائم کر دی گئی ہیں لیکن ان کا دائرہ کار مشتبہ ہے۔ مالیات بنکنگ، محصولاتی نظام اور اس نوع کے دیگر بنیادی امور ان کے دائرۂ کار سے خارج ہیں بس یہ بنچیں پرسنل لاء کے معاملات طے کریں گی

کچھ اور شیر لو لے کہ تبلہ بات نہیں بنی کوئی سیاسی حل تو نکالنا ہی پڑے گا۔ بارہ ربیع الاوّل تک بھٹو صاحب کے مقدمہ کا فیصلہ تو منظرِ عام پر آ ہی جائے گا آخر اس کے بعد کیا ہوگا؟ بارہ ربیع الاوّل کو آپ ایسی کونسی باتوں کا اعلان کر پائیں گے جن سے ایئر مارشل اصغر خان، نورانی میاں مزاری صاحب، ولی خان صاحب، بیگم ولی خان صاحبہ، بزنجو صاحب، عطاء اللہ مینگل صاحب، خیر بخش مری صاحب کے لئے اور اس ملک کے کروڑوں عوام کے لئے جن میں پیپلز پارٹی کے حامی بھی شامل ہیں مطمئن ہو سکیں یہ لوگ تو فوری انتخابات کا مطالبہ کر رہے ہیں موجودہ نام نہاد سویلین حکومت کو توڑنے پر زور دے رہے ہیں چاہتے ہیں کہ بس مارچ تک الیکشن ہو جائیں گے آپ کے پاس ۱۲ ربیع الاوّل کے اعلان کے علاوہ کوئی سیاسی لائحہ عمل بھی ہونا چاہیئے

اربابِ حل و عقد نے جواب دیا۔ بات تو معقول ہے، پھر کیا لائحہ عمل ہو؟

اس مرتبہ کہا جاتا ہے کہ کچھ زیڈ اے سلہری صاحب جیسے مشیر زیادہ قریب تھے ویسے ہی جیسے ایک زمانے میں بھٹو صاحب کے مشیر جناب ٹمن صاحب ہوتے تھے آجکل انکا نام سننے میں نہیں آتا۔ بہر حال ان مشیرانِ کرام نے تازہ ترین جو مشورہ مبینہ طور پر اربابِ اقتدار کو دیا ہے وہ قارئین کی معلومات اور دلچسپی کے لیئے درج ذیل ہے۔

فرمایا مشیروں نے کہ آزمودہ اور مجرّب نسخے ہی اچھا ہوتا ہے۔ ہمارے سابق مشرقی پاکستان کے سربراہ جنرل ضیاء الرحمان اس کے لئے شکریہ کے مستحق ہیں۔ وہ جس طرح اپنے ملک میں اپنے بحران سے عہدہ برآ ہوئے ہیں ہمارے لیئے ایک قابلِ تقلید مثال ہے ان کا آزمودہ نسخہ یہ ہے۔ کہ جناب صدر کو پہلے قانونی صدر بن جانا چاہیئے، یعنی اس کے لئے ریفرنڈم کرا لیا جائے ظاہر ہے کہ جناب صدر ریفرنڈم جیت جائیں گے جیسے جنرل ضیا الرحمن صاحب جیت گئے اس صورت میں کوئی ہرج نہیں کہ انہیں آئندہ مارچ میں برّی فوج کے چیف آف اسٹاف کے عہدہ سے دستبردار ہونا پڑے، وہ صدر کی صورت میں مسلح افواج کے سپریم کمانڈر بہر حال باقی رہیں گے۔ لہٰذا پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ بھی انہیں کی تحویل میں رہے گا۔ قانونی صدر بننے کے بعد سیاسی پروگرام کا دوسرا مرحلہ الیکشن کی تیاریاں ہوگا۔ کہا جائے گا کہ الیکشن ضرور کرائے جائیں گے۔ شاید کوئی لچکدار تاریخ اور مدّت کا تعین بھی کر دیا جائے لیکن مشیروں کا مبینہ مشورہ یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں جداگانہ انتخاب کی طرح ایک اور ترمیم کی جائے اور وہ ترمیم یہ ہو کہ انتخابات میں امیدوار حصہ نہیں لیں گے بلکہ سیاسی جماعتیں حصہ لیں گی اور جتنے ووٹ وہ حاصل کریں گی اسی تناسب سے انہیں پارلیمنٹ میں نشستیں ملیں گی یعنی تناسبی نمائندگی۔ PROPORTIONAL REPRESENTATION کا نظام رائج کیا جائے گا مشیروں کے نزدیک اس طرح جماعت اسلامی جیسی چھوٹی جماعتوں کو جنہیں راست انتخاب کے نظام میں بہت کم نشستیں ملتی ہیں یا ان کے بہت کم امیدوار کامیاب ہوتے ہیں انہیں زیادہ نشستیں حاصل ہو سکیں گی اور اس طرح پیپلز پارٹی جیسی زیادہ مقبول جماعتوں کے پر قینچ کیئے جا سکیں گے۔ تناسبی نمائندگی کے ساتھ صدارتی نظام رائج کیا جائے گا۔ یعنی سیاسی اور آئینی طور پر فرانسیسی، امریکی، اور برطانوی آئینی ڈھانچوں کی معجون مرکب تیار کی جائے گی۔ مشیروں کی تجویز ہے کہ اس پر اسلام کا ملمع چڑھانا بھی ضروری ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ صدر کے عہدے کی جگہ خلیفہ کا عہدہ تخلیق کیا جائے۔ اس سے پہلے ٹرسٹ کے اخبارات اور ابلاغ عامہ کے ذرائع سے اس امر کی تبلیغ کی جائے گی، کہ جمہوری پارلیمانی نظام اسلام کے مطابق نہیں ہے۔ بلکہ اسلام میں تو الگ الگ سیاسی جماعتوں کی بھی گنجائش نہیں ہے (یہ راقم الحروف کا فتویٰ نہیں ہے، بلکہ مشیرانِ کرام کا کہنا۔ یعنی مبینہ طور پر) ممکن ہے کہ یحییٰ خاں کے دور کی طرح الیکشن سے پہلے ایک "ایل ایف او" یا لیگل فریم ورک (قانونی دائرہ کار) کا بھی اعلان کیا جائے اور اس میں الیکشن کے لئے کچھ شرائط عائد کر دی جائیں۔ مثلاً جماعت اسلامی کے مشیروں کا کہنا ہے کہ ملک کے تمام عوام کو رائے دہندگی کا حق نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ صرف پڑھے لکھے لوگوں کو اور صاحب حیثیت لوگوں کو رائے دینے کا حق ملنا چاہیئے عوام الناس جاہل ہوتے ہیں، انہیں مملکت کے کاروبار میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ابھی اس کا پتہ نہیں چل سکا کہ مشیرانِ کرام کے ان عجوبۂ روزگار اور نوادراتِ زمانہ مشوروں کو قبول کر لیا گیا ہے یا نہیں۔ آئندہ چند ہفتوں میں اس کا جواب مل جائے گا ہم خود ان پر فی الحال کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ ابھی یہ خیال کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں منتقل نہیں ہوتے ہیں۔ سر دست صرف اتنی دعا ہے کہ خدا ہم سب پر اور اس ملک پر رحم کرے اور ہم سب کو ہر خود غلط مشیروں سے محفوظ رکھے جن کی آستیں میں دشنہ پنہاں، ہاتھ میں خنجر کھلا

بھٹو فیصلے کے انتظار میں ہر عمل معطل کر دیا گیا ہے

غینوں کی ڈائری

لوگ بھاری گاڑیوں کی رفتار دیکھتے ہیں اور کان افواہیں سنتے ہیں

ایسا لگتا ہے کہ سپریم کورٹ میں سابق وزیر اعظم پاکستان اور پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں فیصلہ ہونے تک پاکستان کے اندر ہر عمل معطل کر دیا گیا ہے چاہے وہ سیاسی عمل ہوں یا انتظامی اور معاشی فیصلے ہوں ہر سیاسی جماعت اس وقت محض خانہ پری کی حد تک سیاست چلا رہی ہے ہر سیاسی جماعت کے اصلی تے وڈے رہنما رازدارانہ انداز میں کہتے پائے جاتے ہیں کہ اصل سیاست تو بھٹو کی قسمت کا فیصلہ ہونے کے بعد چلائیں گے چاہے وہ نئے سیاسی اتحاد ہوں یا نئی سیاسی حکمتِ عملی۔

سیاسی سطح پر تو پھر بھی برائے نام ہی سہی سیاست جاری ہے اصغر خان اپنی جماعت کے انتخابات کرا رہے ہیں مولانا نورانی شہروں میں کارکنوں کو خطاب کر کے جماعت اسلامی کو سات صلواتیں سنا رہے ہیں یا نگارد اور حصہ کے نام پر "لنڈا بازار" برانڈ سیاست رینگ رہی ہے ملک قاسم اور پیر صاحب سے معذرت کے ساتھ ہمارے ایک دوست نے "مسلم لیگ" کو پاکستانی سیاست کا لنڈا بازار کا نام دیکر ہمیں بھی اپنا ہمنوا بنا لیا ہے ان کا کہنا ہے کہ مسلم لیگ میں بھی لنڈا بازار کی طرح استعمال شدہ سیکنڈ ہینڈ یا تھرڈ ہینڈ سیاسی بت بیچے جاتے ہیں

تو جناب نقلی ہی سہی مگر سیاسی سطح پر تو پھر بھی کچھ نہ کچھ چہل پہل جاری ہے مگر انتظامی امور کا بہت بُرا حال ہے اعلیٰ حکام کی بہت ضروری تبدیلیاں بھی رکی ہوئی ہیں باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مرکزی اور صوبائی سطح پر کچھ عملداروں کی تبدیلی کے سلسلے میں تجاویز منظور ہو گئی ہیں آرڈرز پر بھی دستخط ہو گئے ہیں مگر ان کا اجرا سپریم کورٹ کے فیصلے کے اعلان تک روک دیا گیا ہے کچھ لوگوں کی رہائی ہونی تھی حکومت رضامند بھی ہو گئی تھی مگر ان کی رہائی بھی بھٹو کی قسمت کا فیصلہ ہونے تک روک دی گئی ہے۔ پورے ملک میں سناٹا ہے۔ نقط راستوں پر بھاری گاڑیوں کی حرکت اور مخصوص افواہوں کی کانوں کو کھا جانے والی بھنبھناہٹ محسوس کی جا رہی ہے لوگ سہمے ہوئے ہیں آنکھیں پھٹی ہوئی ہیں لوگ بھاری گاڑیوں کی تیز رفتاری دیکھتے ہیں اور کان افواہ سنتے ہیں۔

لوگ حیران ہیں کہ اتنے بڑے اور منظم پیمانے پر

کوئی گھر ایسا نہیں جس کا ایک فرد جیل میں نہ ہو

محمد حفیظ
جنرل سیکرٹری
آل پاکستان سیمنٹ کارپوریشن

فیڈریشن آف آل پاکستان سیمنٹ یونینز کے جنرل سکریٹری محمد حفیظ نے روہڑی سیمنٹ ورکس کے مزدوروں کے خلاف دہشت انگیزی، بڑے پیمانے پر ملازمتوں سے برطرفی، کوڑوں اور قید و بند کی سزاؤں کی پُرزور مذمت کرتے ہوئے کہا کہ فیڈریشن کے وفد نے جو ۱۳ جنوری ۱۹۷۹ء کو روہڑی ورکس پہنچا تھا۔ اُن تمام واقعات کا اپنی آنکھوں سے مظاہرہ دیکھا۔ فیکٹری کالونی میں کوئی بھی گھر ایسا نہیں ہے جس کا کم ازکم ایک فرد نہ گرفتار کیا گیا ہو۔ موجودہ حکومت نے چادر اور چار دیواری کا تحفظ کرنے کا جو وعدہ کیا تھا۔ اس وعدہ کو روہڑی کی لوکل اور ضلع انتظامیہ نے بچوں اور عورتوں پر لاٹھی چارج کر کے ان الفاظ کا بھرم کھو دیا۔ چادر اور چار دیواری کے دعویداروں کا عورتوں اور بچوں پر لاٹھی چارج کرنا۔ اور انہیں زدوکوب کر کے زخمی کر ڈالنا انتہائی قابلِ نفرت ہے۔ وفد کے سامنے ایسی سینکڑوں خواتین اور بچے پیش ہوئے جنہیں انتہائی بے دردی سے مارا پیٹا گیا ہے۔ اور حد تو یہ ہے کہ اپنے مظالم کے نشانات مٹانے کے لئے زخمیوں پر فیکٹری اور سول اسپتال کے دروازے بھی بند کر دیئے گئے اس وقت تک سینکڑوں ملازمین جیل میں بند ہیں۔ جن میں سے ۲۸ کو مارشل لاء کے ضابطہ ۲۳ کے تحت ۱۰ سے ۱۵ کوڑوں اور ایک سال قیدِ بامشقت کی سزائیں دی جا چکی ہیں۔ دہشت گردی کی فضا کو مستحکم بنانے کے لئے گرفتار مزدوروں کے گھروں کے بجلی اور پانی کے کنکشن کاٹ دیئے گئے ہیں۔ ان کے متعلقین پر راشن اور اسپتال کی سہولت بند کرنے کے علاوہ سالہا سال سے فیکٹری ایریا میں واقع جن مساجد اور مزاروں کو بجلی فراہم کی جاتی تھی ان کے کنکشن بھی کاٹ دیئے گئے ہیں

محمد حفیظ نے اپنے بیان میں ملک بھر میں چھانٹیوں، تالابندیوں، برطرفیوں، سرکاری تحویل کی صنعتوں کی نجی مالکان کو واپسی، مہنگائی اور بے روزگاری کے مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ کیا یہ سب کچھ قانونِ ضرورت کے تحت ہو رہا ہے؟ انہوں نے روہڑی سیمنٹ ورکس کی انتظامیہ پر صنعتی امن کو تباہ کرنے کی سازش کا الزام لگاتے ہوئے متنبہ کیا ہے کہ وہ اپنی نااہلیوں اور بدعنوانیوں کو چھپانے کے لئے آگ سے کھیل رہی ہے جس میں سول اور مارشل لاء حکام بھی اس کی شریک ہیں۔ اس کھیل کے نتیجے میں ملک کا صنعتی امن تہہ و بالا ہو جائے گا۔ آخر میں انہوں نے روہڑی ورکس کے تمام مزدوروں کی غیر مشروط رہائی اور تمام نزعی معاملات کو یونین کے نمائندوں کے ذریعے طے کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ مذکورہ صورتِ حال پر مؤثر لائحہ عمل تشکیل دینے کی غرض سے سیمنٹ فیڈریشن مزدور انجمنوں اور فیڈریشنوں سے اپنا رابطہ قائم کر چکی ہے اور بہت

افواہ کون پھیلا رہا ہے جس پیمانے پر یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کام ملک کی کسی بھی سیاسی جماعت کے بس کی بات نہیں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ کام جماعت اسلامی کر رہی ہے مگر ہمارا خیال ہے کہ جماعت اسلامی اور سیاسی جماعتوں سے زیادہ منظم سہی مگر یہ کام جماعت اسلامی کے بھی بس سے باہر ہے یہ کام تو کوئی ایسا ادارہ نہیں کر سکتا ہے جو ملک میں سب سے زیادہ منظم ہو۔ ہم لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ اتنے بڑے پیمانے پر اس قسم کی افواہیں پھیلانے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے جواب کیا ملتا، اُلٹا ایک صاحب نے ہم سے سوال کر دیا کہ تم نے حال ہی میں ٹیلیویژن پر وزیر دفاع میر علی احمد تالپور کا ٹیلی کاسٹ کیا گیا انٹرویو سنا تھا؟ اس سے قبل کہ ہم کوئی جواب دے پاتے ان صاحب نے ایک اور سوال جھاڑ دیا کہ بھئی میجر ابن الحسن اور طہٰ عالم شہید کے میر صاحب سے کیئے گئے سوالات سُنے تھے؟ جب تک کہ انہیں اس قسم کے خطرناک سوال کرنے کے لئے کہا نہ گیا ہو وہ اس قسم کی جسارت کر سکتے ہیں ہم محوِ حیرت بنے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ بھئی وہ سوال کم کر رہے تھے باقی زور سارا جنرل ضیاء کی پالیسیوں کو کسی نہ کسی طرح تنقید کا نشانہ بنانے پر تھا" ان صاحب نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے ایک انتہائی ناقابلِ یقین دعویٰ کیا کہ "یہ لوگ اس قسم کے سوالات کسی ایسے اشارے پر ہی کر سکتے ہیں جو ان کے خیال میں انتہائی مضبوط

ٹی وی انٹرویو میں خطرناک سوالات کس اشارے پر

ترین سمت سے آیا ہو" ہم یہ باتیں کیا سمجھتے خاموش ہو گئے اور ان اطلاعات پر غور کرنے لگے جن میں باخبر ذرائع کی طرف سے بتایا گیا ہے کہ ملک کی معاشی حالت انتہائی پتلی ہو گئی ہے یہی وجہ ہے کہ ملک کو چلانے کے لئے ملک کی دو اہم شخصیتیں کچھ نہ کچھ حاصل کرنے کے لئے دنیا کے مختلف حصوں کے دوروں پر گئی ہوئی ہیں ان اطلاعات کے مطابق ان میں سے وزیر خزانہ مسٹر غلام اسحٰق یورپ کے ممالک اور مسٹر آفتاب احمد خان مشرقِ وسطیٰ کے دورے پر گئے ہوئے ہیں ان میں سے آفتاب احمد خان واپس آ چکے ہیں غلام اسحاق خان کا کوئی پتہ نہیں ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں کہ یہ کوششیں ناکام ثابت نہ ہوں۔

انہی دنوں پاکستان پیپلز پارٹی کی قائمقام چیئرمین بیگم نصرت بھٹو نااہلی کے ٹریبونل کے روبرو پیش ہونے کے لئے کراچی آئی ہوئی تھیں ایک دن شام کو انہوں نے اخباری نمائندوں کو چائے پر بلایا۔ اور کہا کہ میں نے آپ کو سیاست پر بات چیت کرنے کے لئے نہیں صرف "چائے" کی دعوت پر بلایا ہے مگر اس موقع پر میں ان خبروں کی تردید کرنا بھی مناسب سمجھوں گی جو مسٹر بھٹو کی طرف سے امریکہ کے صدر کارٹر کو رحم کی مبینہ اپیل کے بارے میں بعض مخصوص اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں اس موقعہ پر اخباری نمائندوں نے بیگم صاحبہ سے متعلق مختلف معاملات کے بارے میں بھی استفسار کیا۔ ●

مارشل لا کی چھتری تلے اقتدار جماعتِ اسلامی کو سونپ دیا جائے گا

سخت کارروائیوں کا مقصد مثبت نتائج حاصل کرنا ہے

ذوالفقار حیدری

اسلام آباد

۳۱۔ اکتوبر کو انتخابات کرانے کا فیصلہ ہو گیا

مارشل لا حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر حالات ان کی مرضی کے مطابق رہیں تو ملک میں ۳۱ اکتوبر کو اسی سال عام انتخابات کرا ہی دیئے جائیں لیکن اگر حالات ان کے نکتہ نظر سے خراب ہوتے یا مثبت نتائج کی گارنٹی حاصل نہ ہو سکی تو پھر اس فیصلہ کا اعلان بھی شاید نہ ہو سکے۔ مارشل لا حکومت نے سپریم کورٹ میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے فیصلے پر جلد متوقع فیصلے اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج کا مقابلہ کرنے کے لئے مارشل لا کو سخت کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس سلسلے میں جو سب مارشل لا ایڈمنسٹریٹر پہلے ختم کر دیئے گئے تھے وہ اب دوبارہ مقرر کئے جا رہے ہیں۔ انتظامیہ کو ہر قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے چوکس رہنے کا حکم بھی دے دیا گیا ہے۔ اس تمام اہتمام کا مقصد جہاں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی اپیل پر سپریم کورٹ کے فیصلے سے کسی قسم کے عوامی ردِ عمل کو روکنا ہے وہاں ۳۱ اکتوبر کو ہونے والے انتخابات میں مثبت نتائج حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔

۳۱ اکتوبر تک پہنچنے سے پہلے حکومت اور جنرل ضیاالحق اس قسم کے اقدامات کرنا چاہتے ہیں کہ خوف و دہشت کی فضا ہو اور حکومت حسب منشا نتائج حاصل کر لے۔ ۱۲ ربیع الاول کو ہونے والے اعلان کو ایک ایسی بنیاد بنایا جائے گا کہ اس کا سہارا لے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ اسلام اب اور اس حکومت کے ذریعے ملک میں آیا ہے۔ اس سہارے سے یہ بھی کوشش ہو گی کہ اسی حکومت کو اقتدار انتخابات کے ڈھونگ کے ذریعے سونپ ہی دیا جائے۔ ذمہ دارانِ حکومت نے اپنے قریبی افراد کو مثبت نتائج کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ انتخابات میں ایسی پارٹیوں کی اکثریت حاصل کی جائے جو اس وقت حکومت کا ساتھ دے رہی ہیں ان میں زیادہ موثر اکثریت جماعت اسلامی کی ہونی چاہیئے۔ پیپلز پارٹی کو اوّل تو اس قابل نہ چھوڑا جائے کہ وہ انتخابات میں حصہ بھی لے سکے اور اگر بالفرضِ محال ایسا نہ ہو سکے تو اس کے امیدوار اس تعداد میں اسمبلی میں واپس آ سکیں جس تعداد میں جماعت اسلامی کے امیدوار قومی اسمبلی میں تھے۔ انتخابات میں اس قسم کے نتائج حاصل کرنے کے لئے ابھی سے پلاننگ کی جا رہی ہے۔ تمام صوبائی حکومتوں کے سربراہوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ ان کی انتظامیہ ان جماعتوں سے تعاون کرے، جو اس وقت حکومت سے تعاون کر رہی ہیں۔ مقصد اس مراسلے کا یہ ہے کہ تعاون کرنے والی جماعتوں کو انتظامی معاملات میں دخل اندازی کرنے کا موقعہ ملے وہ لوگوں کے کام کرائیں تاکہ ووٹ حاصل کرنے کا چکر آسانی سے چل سکے۔ ایک انڈے سے پولٹری فارم بنانے کے یہ خواہشمند شیخ چلی کے رشتے دار معلوم ہوتے ہیں ان میں سے کسی کو وقت کا احساس نہیں ہے۔ حکومت نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت اور ان کے ساتھیوں کو بدنام کرنے کے لئے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چلا لیا ہے مگر کیا اس کا کوئی اثر مرتب ہوا ہے۔ کیا ان تیروں سے کوئی زخمی بھی ہوا ہے؟

انگریزی ادب میں گلیورز ٹریول کی کہانی ہے۔ گلیور بونوں کی بستی میں پھنس جاتا ہے، بونے اسے بے بس کر کے باندھ دیتے ہیں۔ اس کی آنکھ کھلتی ہے تو دیکھتا ہے کہ بونے اس پر سوار ہیں۔ سیڑھیاں لگا کر لیٹے ہوئے آدمی پر چڑھ رہے ہیں۔ وہ ہنستا ہے اور کروٹ لیتا ہے تو وہ تمام جال ٹوٹ جاتا ہے جو بونوں نے گلیور کی بے ہوشی کے دوران بڑی مشکل سے اس کے گرد بنا تھا۔ یہ علامتی کہانی ہے۔ وہ علامات آج بھی موجود ہیں۔ بونوں کا ایک جلوس ہے۔ سب اچھل اچھل کر اپنا کام دکھا رہے ہیں، تمام بونے اپنے شکار کی انگڑائی سے پریشان ہیں اگر اس نے انگڑائی لی تو سارا طلسم ٹوٹ جائے گا۔

مارشل لا حکومت نے جب ۳۱ اکتوبر کو انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا تو کسی نے پوچھا۔ ۳۱ اکتوبر کو ہی کیوں

چنا گیا ہے تو کسی نے دبے لہجے میں کہا۔ اکتوبر میں انہوں کے بعد اور کوئی تاریخ نہیں ہوتی۔ یوں بھی اس روز حج ہو گا اور کچھ لوگ حج کرنے باہر گئے ہوں گے۔ اگر نتائج برعکس نکلے تو پھر واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو گا اگر شہنشاہِ ایران اپنا بوریا بستر سمیٹنے پر مجبور ہو سکتے ہیں تو آبائی لوگوں کی کیا حقیقت ہے۔ ملک سے کوئی باہر ہو اور حالات خراب ہوں تو واپسی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ ملک کے اندر ہوں تو باہر جانا مشکل ہے۔ کچھ لوگوں نے جاپان میں اپنے کاروبار سیٹ کئے ہیں۔ پچھلے دنوں سرکاری خرچ پر ایک وزیر نے جاپان کے جس قدر دورے کئے ہیں اور اس کے بعد ہر وزیر نے ادھر ہی رخ کیا ہے وہ سیٹ ہوتے ہوتے کاروبار کا جائزہ لینے کے لئے تھے

جنرل محمد ضیاء الحق کی بڑی کوشش ہے کہ اس ملک کی بانی جماعت مسلم لیگ دوبارہ ایک ہو جائے وہ چاہتے ہیں کہ انتخابات کے مثبت نتائج کے ذریعہ اقتدار جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کی پارٹیوں کے حوالے کیا جائے مسلم لیگ کے دونوں دھڑے بلکہ اب تینوں دھڑے ایک کرنے کی خواہش دم توڑتی ہوتی معلوم ہوتی ہے۔ پیر صاحب پگارا شریف اصولوں کی بنیاد پر بات کرتے ہیں۔ مگر مسلم لیگ کا اقتدار پسند ٹولہ اصولوں کی بات نہیں کرتا اسی لئے کوئی فیصلہ نہیں ہو رہا۔ پیر پگارا کی انتخابات ۱۹۸۱ء میں کرانے کی بات بہت پسند ہے مگر اس کا کھلا اظہار نہیں کرتے۔ یہ بات جماعت اسلامی کو بھی بہت پسند ہے۔ مگر وہ بھی اس کا برملا اظہار نہیں کرتی۔ البتہ جماعت اسلامی کی وزارت اطلاعات کے توسط سے اس بات کو اخبارات میں نمایاں چھپوا دیتے ہیں۔

ملائشیا کے وزیراعظم داتو حسین بن عون کے اعزاز میں دیئے گئے عشائیے سے خطاب کرتے ہوئے جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا کہ پاکستان کی کوشش اور خواہش یہ ہے کہ جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا کا پورا علاقہ ہر قسم کی تخریبی سرگرمیوں سے پاک ہو تاکہ پسماندہ علاقے اپنے وسائل کو ملکی ترقی کے لئے استعمال کر سکیں۔ پاکستان کے حالات کے حوالے سے یہ سوال ابھرتا ہے کہ عوام کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر کے حالات کو کیسے اور کب تک پرامن رکھا جا سکتا ہے؟ اور اس کی کیا قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ کتنے وسائل اس پر خرچ ہوں گے اور ملکی ترقی اور خوشحالی کے خواب کیسے پورے ہوں گے۔

**

نورالدین
کیانوری
کا انٹرویو

فوجی بغاوت کے خلاف چوکس رہنا ضروری ہے

سوال: آپ کی پارٹی ۱۹۴۹ء سے خفیہ طور پر کام کر رہی ہے کیا آپ اپنی پارٹی کا مؤثر وجود برقرار رکھ سکے ہیں؟

جواب: ہمارے بے شمار مشکلات، خاص طور پر ۱۹۷۰ء میں جبکہ ساواک کسی حد تک ہماری تحریک میں گھسنے میں کامیاب ہو گئی تھی، کے باوجود ہم کبھی غیر مؤثر نہیں رہے ہمارے بعض اراکین اب بھی ۲۶ سال گزر جانے کے بعد بھی جیلوں میں ہیں۔

سوال: آپ کو حمایت کی بڑی مقدار کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟

جواب: ایرانی مزدوروں کی تعداد ۳۰ لاکھ ہے جن کا سیاسی شعور بلند ہے۔ انقلاب کے ساتھ تودہ روایات تازہ ہوتی ہیں۔ پرانے کارکن، جن میں اکثر جیلوں کا تجربہ رکھتے ہیں۔ نئی نسل کی رہنمائی کا فرض ادا کر رہے ہیں اب تو خود شاہ کے اپنے افسر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ تیل کی صنعت کے مزدور صرف تودہ پارٹی کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں ہمیں دانشوروں اور بورژوازی کی حمایت بھی بڑی حد تک حاصل ہے مختصر یہ کہ ان تمام لوگوں کی حمایت حاصل ہے جو براہِ راست اجارہ دار سامراجی سرمایہ داری میں ملوث نہیں ہیں۔

سوال: کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام مظاہرین جو سڑکوں پر خمینی کی حمایت میں نعرے لگا رہے ہیں درحقیقت تودہ پارٹی کے اراکین ہیں؟

جواب: میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں۔ میں جو کہہ رہا ہوں یہ ہے کہ آیت اللہ خمینی نے پچھلے ۲۰ سال سے شاہ اور سامراجیت کی ہر شکل کے خلاف جنگ کی ہے ہم ان کے اقدامات کی حمایت کرتے ہیں یعنی ایک اسلامی جمہوریہ، شہنشاہیت کا خاتمہ اور ایک ایسی دستور ساز اسمبلی جو ایسا آئین بنائے جس سے قومی حکومت کے قیام کی راہ ہموار ہو، سامراجی تسلط کا خاتمہ ہو، عوامی جمہوریت کی تمام صورتوں کے لئے ضمانت مہیا ہو اور ہماری قومی دولت عوامی بہبود کے لئے استعمال ہو۔ یہ کوئی وقتی طریقہ کار نہیں ہے بلکہ یہ ہمارا ایک سنجیدہ اور واضح موقف ہے۔

سوال: کیا ایک مارکسی کی حیثیت سے خمینی کا شدید نوعیت کا اسلامی کردار آپ کو پریشان نہیں کرتا؟

جواب: شیعہ مذہبی قوتیں جمہوری بنیادیں رکھتی ہیں اور وہ ہمیشہ عوامی، قومی اور سامراج دشمن طاقتوں سے منسلک رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آیت اللہ خمینی نے شاہ کے خلاف اپنے سخت اور انتہا پسند نعرے دینا شروع کیا تو انہیں ہماری حمایت حاصل ہو گئی۔ تودہ پارٹی ان کی تحریک کے معروضی طور پر ترقی پسند عنصر کو تسلیم کرتی ہے اور ان کے ساتھ ایک مشترکہ زبان وضع کرنے کے لئے ہم وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو کر سکتے ہیں۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ایران کے ارتقاء میں ایک مکمل طور پر ترقی پسندانہ کردار ادا کر رہے ہیں۔

سوال: آیت اللہ خمینی اور تودہ پارٹی کتنے عرصے ایک ہی

خمینی، شہنشاہیت اور سامراجی تسلط کے خلاف ۲۰ سال سے جنگ کر رہے ہیں

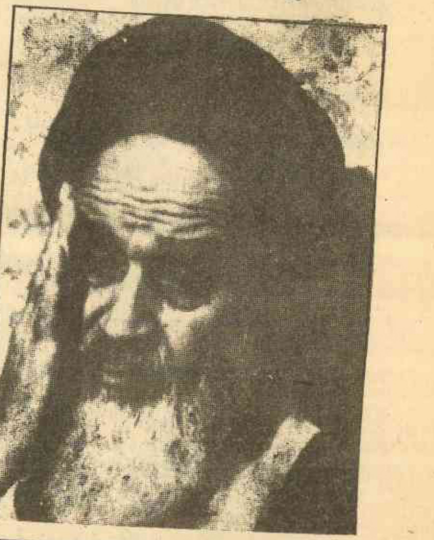

امریکی جریدے نیوز ویک نے اپنی ۲۹ جنوری کی اشاعت میں تودہ پارٹی (ایرانی کمیونسٹ پارٹی) کے نئے سربراہ نورالدین کیانوری کا انٹرویو اس تبصرے کے ساتھ شائع کیا ہے کہ ایران کے مسلسل بحران میں بڑے سوالوں میں سے ایک سوال یہ ہے کہ ایران کی غیر قانونی کمیونسٹ پارٹی کیا کردار ادا کرتی ہے۔ ہم شکریے کے ساتھ اس انٹرویو کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

تودہ پارٹی اسلامی جمہوریہ کے قیام کی حمایت کرتی ہے

راہ پر ساتھ چل سکتے ہیں ؟

جواب : بہت لمبے عرصے تک۔ میرا یہ یقین ہے کہ ایک طرف سائنسی سوشلزم اور دوسری طرف اسلام کے سماجی مواد کے درمیان بہت بڑے اختلافات نہیں ہیں اس کے برعکس ان دونوں کے درمیان بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔

سوال : کیا آپ کا ان سے براہ راست رابطہ ہے اور کیا آپ نے حال ہی میں ان سے ملاقات کے لئے اپنے پیغامبر بھیجے ہیں ؟

جواب : میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔

سوال : آپ کے خیال میں بالآخر اقتدار میں شرکت کی صورت کیا ہوگی ؟

جواب : وہ "متحدہ محاذ" جو ہم نے تجویز کیا ہے اس کی حیثیت ثانوی ہے۔ تودہ پارٹی کے نزدیک مشترکہ پروگرام بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔

سوال : کیا آپ نیشنل فرنٹ پارٹی کے ساتھ بھی اشتراک عمل کریں گے ؟

جواب : ہم کسی بھی ایسی سیاسی جماعت سے اشتراک عمل کریں گے جو ہمارے پروگرام سے اتفاق کرتی ہو جس کے وسیع تر مقاصد یہ ہیں کہ امریکی اور سامراج کی دوسری صورتوں کا خاتمہ کرے، اسلحہ کی تباہ کن خریداری ختم کی جائے اور ایک حقیقی آئین ساز اسمبلی قائم کی جائے۔ ہمیں بورژوا پارٹی کے ساتھ کام کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

سوال : آپ کی نئی قیادت کے تحت تودہ پارٹی نے ایک اعلامیہ جاری کیا ہے جس میں ایک مسلح عوامی جدوجہد کی تیاری کرنے کی دعوت دی گئی ہے کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خانہ جنگی کو ناگزیر سمجھتے ہیں ؟

جواب : ایک سیاسی جماعت کو ہمیشہ اپنی راہ عمل کے انتخاب کو کھلا رکھنا چاہیئے۔ وہ قومی جدوجہد جو شاہ کی روانگی پر منتج ہوئی وہ اس کے منطقی نتائج تک لے جائی جاسکتی ہے جس میں ایک ایسی فوج ہو جو جمہوری ایران کی خدمت کرسکے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ایران کی رجعت پسند طاقتیں، امریکی اور اسرائیلی سامراجی حمایت کے ساتھ فوجی بغاوت برپا کرنے کی کوشش کریں جو چلی میں جو کچھ ہوا ہے یا انڈونیشیا میں کمیونسٹوں کے قتل عام کی صورت میں جو کچھ ہوا ہے اس سے بھی زیادہ ہلاکت خیز ہو۔ ہم نہیں چاہتے کہ ایسا ہو اور ہم نہیں چاہتے کہ ایران میں ۱۹۵۳ء کا ظلم دوبارہ دہرایا جائے۔ ہمیں اس کے خلاف چوکس رہنا چاہیئے۔

سوال : کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آخر کار مسلح جدوجہد ناگزیر ہو گی ؟

جواب : میں قنوطیت پسند نہیں ہوں لیکن ضرورت سے زیادہ رجائیت پسند بھی نہیں ہوں۔ ہمیں یقین ہے کہ ایک قومی جدوجہد اس طرح کے خون خرابے کے بغیر اپنے فطری نتائج تک پہنچ سکتی ہے لیکن یہ لازمی ہے کہ ہم چوکس رہیں۔

سوال : اس قسم کی جدوجہد کے لئے آپ ہتھیار کہاں سے حاصل کریں گے ؟

جواب : تاریخ کے ہر دور میں انقلابی تحریکیں اس مسئلے کو مخصوص انداز میں حل کرتی آئی ہیں۔ ہتھیار ہمیشہ حاصل کئے یا خریدے جاسکتے ہیں۔ ایران میں لاتعداد ہتھیار ہیں۔

سوال : خانہ جنگی کی صورت میں آپ کے خیال میں فوج کیا کردار ادا کرسکتی ہے ؟

جواب : ہماری فوج اپنی اصل کے اعتبار سے عوامی ہے اس کے ۹۰ فیصد رنگروٹ کسانوں میں سے اور ۱۰ فیصد مزدوروں میں سے آتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ بڑھتی ہوئی انقلابی تحریک بیرکوں کی دیواروں سے باہر نہیں رہے گی اس کی علامات پہلے ہی ظاہر ہونے لگی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اب مظاہرین کو کچلنے کے لئے افسر رضاکار طلب کرنے پر مجبور ہوں گے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ فوج صد فی صد وفادار نہیں ہے۔

سوال : بعض مبصرین یاد دلاتے ہیں کہ ایک بار روسیوں نے پیٹر اعظم کی قیادت میں ایران کے بعض حصوں پر حملہ کیا تھا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایران کو دوبارہ روس کے دائرہ اثر میں جانے پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟

جواب : اگر ایران ایک جمہوری ملک بن جاتا ہے اور سوشلسٹ ممالک سے دوستانہ مراسم رکھتا ہے تو مجھے یقین ہے کہ یہ ممالک ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔ سوویت یونین کو بہت خوشی ہوگی، اگر اس کی جنوبی سرحدوں پر ایک ایسا دوست ملک ہو جس میں غیر ملکی فوجی اڈے نہ ہوں، سوویت یونین کی سلامتی کے لئے ایک دوست ایران سب سے بڑی ضمانت ہوگا۔

نجیبہ الحسن

حکومت کی ناقص منصوبہ بندی خطرناک ثابت ہوگی

غذائی امداد دینے والے ممالک نے منہ پھیر لیا

پاکستان گندم میں شدید قلت کا شکار ہے

پاکستان غذائی قلت کا شکار ہے اور مستقبل کے آنے والے دنوں میں اس بحران کے شدید ہونے کے امکانات بڑھتے جا رہے ہیں لیکن ہمارے حکمران طبقات اس معاملہ میں اس قدر حساس اور نازک مزاج ہیں کہ جب کبھی کسی کارنر سے یہ بات اٹھائی جاتی ہے تو اس سوال کو حکومت ملک اور نظریہ پاکستان کے خلاف گھناؤنا الزام قرار دے کر مخالفین کی گردنیں ناپنے کی تیاری شروع کر دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے ملکی معاملات اور قومی مسائل میں عوام کی شرکت شجر ممنوعہ بن چکی ہے۔ عام آدمیوں کو یہ حوصلہ نہیں ہوتا کہ وہ صاحبان اقتدار سے یہ سوال کر سکیں کہ تیس سال گزرنے کے باوجود ہمارا ملک گندم اور چاول کے معاملہ میں خود کفیل کیوں نہیں ہو سکا جبکہ ہمارے ملک کا صوبہ پنجاب تقسیم سے قبل گندم کی پیداوار میں پورے ملک کی کفالت کرتا تھا۔

۱۹۷۸ء کے وسط میں جب غیر ملکی مبصرین نے یہ سوال اٹھایا کہ پاکستان شدید غذائی قلت کا شکار ہے تو جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے فوری ردعمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے مبصرین کی اس تنقید کو "سستی سنسنی خیزی" قرار دیا لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ ابھی حال ہی میں وفاقی وزیر خوراک خواجہ محمد صفدر نے اس بات کا اعتراف کیا کہ "جب تک ہمارا ملک خوراک کے معاملہ میں خود کفیل نہیں ہو جاتا خاص طور پر گندم کی پیداوار میں، اس وقت تک پاکستان کا وجود اور خود مختاری داؤ پر لگی رہے گی۔

(ایشیا ویک ۲۶ جنوری)

انتظامیہ نے بھی بلیار خرابی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ پاکستان گندم کے معاملہ میں شدید قلت کا شکار ہے اور اسے گندم کی ۲۰ فیصد ضرورت کو پورا کرنے کے لئے گندم کی امداد دینے والے ممالک پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان چاول پیدا کرنے والے ملکوں میں اہم ہے لیکن اس کا بڑا حصہ زرمبادلہ کے لالچ میں برآمد کر دیا جاتا ہے اور دیہی عوام گندم کے آٹے کی روٹیوں پر گزارہ کرتے ہیں

گندم کی پیداوار ۱۹۷۱ء میں ۶ ملین ٹن سے بڑھ کر جون ۱۹۷۷ء کے مالی سال کے آواخر میں ۹.۳ ملین ٹن تک پہنچ گئی اس سے اگلے سال پاکستان کے کاشتکاروں نے گندم کی پیداوار ۸ ملین ٹن تک پہنچا دی لیکن ماہرین کا خیال ہے کہ اس سال گندم کی پیداوار میں ۲.۰ ملین ٹن کا خسارہ ہوگا۔

حکومت نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ ۱.۰۵ ملین گندم درآمد کرے گی اس ضمن میں اس نے بعض ممالک سے ہونے والے معاہدے پر دستخط بھی کر دیئے ہیں لیکن باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ غذائی امداد دینے والے ممالک پاکستان کو امداد دینے کے سلسلے میں اس وقت تک پس و پیش سے کام لیں گے جب تک پاکستان اپنی پیداوار میں اضافے کے ٹھوس اقدامات نہیں کرتا"۔

غیر ملکی مبصرین کا کہنا ہے کہ غذائی قلت کی شکار موجودہ حکومت کو گندم کی حالیہ فصل کے خراب ہونے کا بھی دھڑکا لگا ہے اور اس کے یقیناً سیاسی اثرات بھی مرتب ہوں گے۔ حکومت نے اس خطرہ سے نمٹنے کے لئے کاشتکاروں کو مراعات دینے کا اعلان کیا ہے جس میں گندم کی قیمت میں ۲۰ فیصد اضافہ شامل ہے حکومت کی جانب سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ گندم کی سرکاری خریداری کی جائے گی اور نقد رقم ادا کی جائے گی۔ کاشتکاروں کو زرعی قرضے دینے کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے اور اس کی شرائط بہت نرم رکھی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں کھاد اور کیڑے مار دواؤں میں رعائت بھی دی جا رہی ہے لیکن ماہرین زراعت کے مطابق حکومت نے سیاسی معاملات کی طرح اس مسئلہ کے حل میں بھی روایتی تاخیر سے کام لے کر ان مراعات کو بے مقصد بنا دیا ہے۔

گزشتہ سال گندم کی پیداوار میں کمی کی وجہ پودوں کے دو امراض کو قرار دے کر اس سنگین مسئلہ کو چھپانے کی کوشش کی گئی تھی مگر زراعت سے دلچسپی رکھنے والے یہ بات جانتے ہیں کہ حکومت اور محکمہ زراعت کی ناقص منصوبہ بندی اور بدانتظامی کے سبب کاشتکار پیداوار کا مطلوبہ ٹارگٹ حاصل کرنے میں ناکام رہے انہیں پانی کی قلت کا سامنا رہا، کھاد تاخیر سے ملی اور زرعی قرضہ جات کے اجراء میں روایتی سرخ فیتہ حائل رہا۔ زرعی بنکوں کے چکر لگاتے لگاتے کاشتکاروں اور ہاریوں کی پگڑیاں میلی ہوگئیں اور ان کے مضبوط جوتے ٹوٹ گئے۔

دلچسپ، مگر افسوسناک امر یہ ہے کہ حکومت نے پہلی بار بھارت اور میکسیکو سے گندم کے، ۱۰ ہزار ٹن بیج درآمد کئے دعویٰ کیا گیا تھا کہ جراثیم سے پاک صحت مند بیج درآمد کئے جا رہے ہیں تاکہ پاکستان میں گندم کی عمدہ فصل تیار ہو سکے لیکن جب بھارت اور میکسیکو سے گندم کے بیج کا یہ اسٹاک پاکستان کے کاشتکاروں میں تقسیم کیا گیا تو انہوں نے اس کو استعمال کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ بیج کی مقامی اقسام کے مقابلہ میں درآمد شدہ بیج کی کوالٹی بہت خراب ہے۔ تقریباً پانچ ہزار ٹن گندم کے بیج بھارت کو واپس کیا گیا۔

پاکستان جہاں سیاسی طور پر جمہوری تبدیلی کا منتظر ہے وہاں اس بات کی ضرورت بھی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ زراعت کے شعبہ کو روایتی ڈھانچہ سے نکال کر انقلابی تبدیلی کی راہ پر ڈالا جائے اور زمین کو زرخیز بنانے کے لئے زمین کے بیٹوں کی محنت، دیانتداری اور پیشہ وارانہ مہارت پر اعتماد کیا جائے۔

واشنگٹن سے اقتدار کی منتقلی کا اختیار چھین لیا جائے

پاکستان پیپلز پارٹی محلاتی سازشوں کا شکار نہیں ہوگی

ڈاکٹر اعزاز نذیر سے انٹرویو

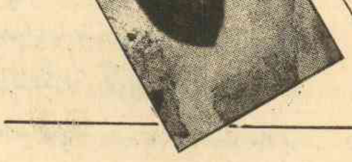

میاں محمد شریف زاہد

■■■

س : ملک کے اندر قومی اتحاد کی طرز پر بائیں بازو کی جماعتوں کے مختلف اتحاد منظرِ عام پر آرہے ہیں اور مزید بننے کی بھی امید ہے کیا ان کے معرضِ وجود میں آنے سے یہاں کوئی تبدیلی ہوگی۔ نظریاتی بنیادوں پر متحد ہونے اور ایک ملک گیر متحدہ محاذ تشکیل دینے کے سلسلہ میں بائیں بازو کی جماعتیں اور گروپ کس حد تک مخلص ہیں۔ آپ کے کیا ارادے ہیں اور کیا پروگرام رکھتے ہیں ؟

ج : نیشنل پروگریسو پارٹی کی دلی خواہش ہے کہ لیفٹ کی جتنی جماعتیں بھی ہیں وہ آج کے معروضی حالات میں کم ازکم پروگرام کی بنیاد پر فعال ہوں اور رہنمائی کا تاریخی کردار ادا کریں۔ ہم بائیں بازو کے اس اتحاد کو اسٹڈی سرکل تبلیغ و تشہیر کا ذریعہ نہیں سمجھتے۔ موجودہ صورتِ حال نے پاکستان میں حکمران طبقے کے کھوکھلے پن ملک میں مروّج معاشرتی و اقتصادی نظام کی فرسودگی کو واضح کردیا ہے۔ آج کا تصادم بجاطور پر ریاستی مشینری سے ہے جس کو وہ اپنی خواہشات کے مطابق تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ تبدیلی کی یہ خواہش محنت کش عوام اور جمہوری طبقات کے مختلف حصوں میں پوری شدت کے ساتھ موجود ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ عوام کے مختلف حصّے اپنے اپنے مسائل اور مطالبات کے تعلّق سے برسرِ عمل ہیں۔ لیفٹ کا کام عوام کو مربوط بنانا اور ایک جمہوری فعال قیادت مہیا کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام عوام کی لڑائیوں میں شامل ہوکر انہیں آگے بڑھا کر منظم اور مربوط بنا کرہی کیا جاسکتا ہے لہٰذا ہماری یہ کوشش ہوگی کہ ملک کو سامراج سے نجات اور خاص طور پر فرسودہ اقتصادی ڈھانچوں کی جگہ متوازن معیشت کے نفاذ، عوام کے بنیادی جمہوری حقوق کی بحالی عبوری حکومت کے خاتمے سیاست سے فرقہ وارانہ سیاست کو ختم کرنے کی بنیادوں پر تحریک کو منظم کریں۔ میں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے تمام کارکنوں کی خواہشات سے مظہر ہیں۔ ابھی تک جن جماعتوں کے قائدین سے ملاقات ہوئی ہے ان سے میں توقع کرتا ہوں کہ وہ آج اس تاریخی فریضے کو انجام دیں گے۔ بائیں بازو کے بعض عناصر نے تنظیمی اتحاد کے لئے بھی ایک سیاسی پارٹی بنانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے اور یہ رجحان موجود بھی ہے جو کہ میرے نزدیک گذشتہ تجربات کی روشنی میں قبل از وقت ہے۔ درحقیقت لیفٹ کے تمام عناصر ماضی میں ایک ہی تنظیمی لڑی تھے لیکن بین الاقوامی سطح پر واقع ہونے والے بعض سوالات، طریقہ کار اور حکمتِ عملی کے اختلافات نے ایک دوسرے کو الگ کردیا اور اس علیحدگی کے نتیجے میں ایک دوسرے کے خلاف بیشتر بدگمانیوں و بداعتمادیوں نے جنم لیا۔ ان حالات میں ایک ورکنگ یونٹی کے بغیر ایک پارٹی کی طرف جانا قبل از وقت ہے۔ ویسے ہماری خواہش ہے کہ ہم خیال لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مدغم ہوکر ایک پارٹی کو بنانے کے عمل میں مدد کریں

ہماری آج بنیادی جدوجہد عوام کو اقتدارِ اعلیٰ منتقل کرنے کی جدوجہد ہے جو گذشتہ طویل عرصہ سے واشنگٹن کے پاس ہے۔ ملک کی تمام پارٹیاں اس سے اتفاق کرتی ہیں۔

عوام متحد ہو کر غصب شدہ حقوق کیلئے جدوجہد کریں

لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ ہم عوام کے داشنگٹن سے اقتدار منتقل کرانے کی جدوجہد پر مشترکہ پروگرام اور مشترکہ فعال محاذ قائم کر لیں۔

س: قومیتوں کے مسئلہ پر آپ کی پارٹی اور آپ کا کیا موقف ہے؟

ج: قومی حقوق کا مسئلہ ملک کے اندر جمہوری حقوق کی جدوجہد کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ میری پارٹی قومی حقوق کی جدوجہد اور مکمل صوبائی خود مختاری کو ملک کی جمہوری جدوجہد اور ملک میں بسنے والے عوام میں یکجہتی اور اتحاد کے لئے بہت ضروری سمجھتی ہے۔ لیکن قوم پرستی کے جارحانہ اور تنگ نظر رجحانات کو ملک کی جمہوری تحریک کے لئے خطرناک سمجھتی ہے۔ جو درحقیقت ملک کے محنت کش عوام کی آزادیوں کو سلب کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔

س: پاکستان پیپلز پارٹی اور موجودہ فوجی حکومت کے درمیان مصالحتی بات چیت جو مبینہ طور پر ہو رہی ہے اور جس کا انکشاف بعض اخبارات و جرائد نے بھی کیا ہے اس میں کس حد تک صداقت ہے اور کیا امکانات ہیں؟

ج: ملک میں مارشل لا کے نفاذ اور پاکستان قومی اتحاد کی رجعت پسند پالیسیوں اور عوام دشمن گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں عوام نے انہیں رد کر دیا ہے اب صورتحال حکمران طبقات کے لئے پریشان کن ہے اور سان کا تقاضہ ہے کہ حکمران طبقات پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ مصالحت کے دروازے کھول دے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ملک میں جو لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہ آج کا بحران محض ایک سادہ بحران ہے وہ احمقوں کی جنت میں بستے ہیں۔ بنیادی طور پر آج کا بحران اقتصادی اور معاشرتی بحران ہے اور ان حالات میں حکمران طبقات اپنی عوام دشمن کی پالیسیوں میں ننگے ہونے کے بعد اگر پیپلز پارٹی کو بھی اپنی منیر بنا کر استعمال کرنے کی کوشش کریں گے تو اس کا حشر بھی وہی ہوگا جو آج کے حکمرانوں کا ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ پیپلز پارٹی کے اندر محنت کش عوام اور جمہوری قوتیں موجود ہیں۔ وہ ان محلاتی سازشوں میں پیپلز پارٹی کو پھنسنے نہیں دیں گی۔

س: موجودہ ملکی صورتحال کیلئے عبوری حکومت۔ پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان قومی اتحاد کا کردار کیا ہے؟

ج: درحقیقت آج سیاست دو واضح دھاروں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ ایک مارشل لا حکومت اور اس کی اتحادی رجعت پسند پی این اے اور دوسری طرف محکوم و مظلوم عوام جو ان کی رجعتی پالیسیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ عوام کی ہمدردیاں اس وقت مکمل طور پر پیپلز پارٹی کے ساتھ ہیں۔ یہ تاثر عام طور پر پایا جاتا ہے حکمران طبقات بھی یہ بخوبی جانتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت نے کافی عوام دشمن کارروائیاں کیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ عوام کے فائدے میں بھی کچھ اقدامات کئے۔ مثلاً ملک میں صنعتوں۔ بنکوں کو قومیانا، زرعی ٹیکس اور مالیہ کی معافی اور ہاریوں اور خصوصاً بلوچستان جیسے پسماندہ علاقے میں MLR سے بے دخلیوں پر پابندیاں وغیرہ اگر مارشل لا حکومت بھٹو کی عوام دشمن پالیسیوں کی وجہ سے پیپلز پارٹی کے خلاف ہے تو ایک نواب کے قتل کا واویلا کیوں کیا جا رہا ہے۔ جب کہ بلوچستان میں فوجی آپریشن۔ کراچی لانڈھی کورنگی میں مزدوروں کا بے تحاشہ خون بہانے اور ان پر تشدد کے واقعات کی بنیاد پر پیپلز پارٹی کے ذمہ دار افراد کو نشانہ بنانے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ صرف ایک سانحہ ملتان نے ثابت کر دیا ہے کہ موجودہ حکمرانوں نے تشدد کی پالیسی کو شدید تر بنایا ہے۔ خود وحشت کے کوڑوں کی سزاؤں کو نافذ کیا۔ ٹیلی ویژن کے ملازمین، اساتذہ، طلباء، وکلاء، صحافیوں مزدوروں، کسانوں اور محنت کشوں پر اس کا استعمال کیا۔ ملتان، ہرٹ فیڈر، خضدار۔ ڈیہہ جبارک واہ اور مالاکنڈ ایجنسی وغیرہ میں رونما ہونے والے واقعات حکمرانوں کے ظلم و ستم کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ چونکہ ہم احتساب کا حقدار صرف اور صرف عوام کو سمجھتے ہیں لہٰذا موجودہ احتساب کو حکمران طبقے کی ایک سیاسی سازش قرار دیتے ہیں۔

س: موجودہ ملکی صورتحال سے نمٹنے کے لئے کن کن اقدامات کی ضرورت ہے؟

ج: چونکہ ہم اقتدار اعلیٰ کا مرکز عوام کو قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا عوام کو اپنے غصب شدہ حقوق کی بازیابی کے لئے متحد ہو کر جدوجہد کرنا ہوگی۔ کیونکہ یہ حکمران انتخابات نہیں کرا سکتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ عوام سے خوفزدہ ہیں منطقی طور پر مارشل لا حکومت نے ۹۰ دن کے اندر اندر انتخابات کرا کے اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے نہیں کیا۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ فی الفور الیکشن کرا کر اقتدار عوام کو منتقل کر دے۔ وہ لوگ جو جمہوری جدوجہد میں اپنا کردار ادا کرنے سے گریزاں ہیں۔ ان میں بیشتر ایسے موقع پرست اور خود غرض لوگ شامل ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس جدوجہد کے دوران مصائب کی تاب نہیں لا سکتے۔ حالانکہ مصائب و آلام کا مقابلہ کرنے کے بغیر منزل کو نہیں پایا جا سکتا۔ بعض ترقی پسند اور جمہوریت پسند طاقتوں کے ذہن میں ہے کہ ریاستی مشینری کے خلاف لڑائیوں کی رہنمائی کرنے سے، سارا کریڈٹ پیپلز پارٹی کو جائے گا۔ یہ ان کی بے عملی اور بزدلی کا کھلا اظہار ہے۔ ان لوگوں کو عوام کے ساتھ ملنا چاہیئے اور عوامی جمہوری انقلاب کے لئے جدوجہد کو تیز تر کرنا چاہیئے میری ملک بھر کی جمہوریت پسند اور عوام دوست قوتوں سے اپیل ہے کہ وہ ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر یہاں سے جاگیرداری، سرمایہ داری نظام کا مکمل خاتمہ کر کے پرولتاری انقلاب کو جنم دیں۔

***

محمود شام
جي نگراني هيٺ
سنڌي ٻولي ۾
جو پهريون مڪمل
هفتيوار
تازه ترين ملڪي
۽ پرڏيهي
صورتحال بابت
جلد پهرين شايع ٿي چڪو آهي
صفحا ۳۲ - قيمت ۳ رپيا
هفتيوار
ميرپورخاص
بيداري
پڪيرڻ لاءِ: پوسٽ باڪس ۱۹۵ حيدرآباد
ايجنٽ حضرات پنهنجي آرڊر جي لاءِ
سول ايجنٽ عزيز برادرس سان لهه وچڙ ڪريو
حيدرآباد سنڌ

فار ایسٹرن اکنامک ریویو سے ماخوذ

بلدیاتی نامزدگی کیلئے دو ہزار روپے تک وصول کئے گئے

پارساؤ، تم پر بھی الزامات لگنے شروع ہو گئے ہیں

گو کہ ملک کی ۳۱ سالہ تاریخ میں شاید ہی کوئی برسرِ اقتدار رہنما ہوگا جس پر بدعنوانیوں کے الزامات نہ لگائے گئے ہوں۔ لیکن کوئی حکومت اس مختصر عرصے میں بدنام نہیں ہوئی ہے جتنی کہ موجودہ حکومت۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اب بدعنوانیوں کے الزامات بڑی تیزی اور شدت کے ساتھ حکمرانوں کے اس حلقے پر لگائے جا رہے ہیں جو آئینی حکمرانی کی معطلی اور اس کے نتیجے میں عوام کے مصائب کو اس بنیاد پر جائز قرار دیتا ہے کہ سیاسی زندگی کی تطہیر کا اور کوئی دوسرا طریقہ نہیں تھا۔

سابقہ حکومت سے تعلق رکھنے والے رہنماؤں کے خلاف ایسے الزامات کی بنیاد پر جو کہ بعض اوقات مضحکہ خیز حد تک سطحی ہوتے ہیں مارشل لا مقدمات کا جاری رہنا حالیہ واقعات کو مزید طنز بنا دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک مقدمے میں ملٹری ٹریبونل نے فیصلہ دیا کہ گو کہ گواہوں نے الزامات کی تائید نہیں کی۔ مگر ملزم کو مجرم تصور کیا جا سکتا ہے کیونکہ وفاقی وزیر ہونے کی وجہ سے وہ اس حیثیت میں تھا کہ وہ ان جرائم کا ارتکاب کر سکے جن کا الزام اس پر لگایا گیا ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلسِ عاملہ نے ۵ دسمبر کو موجودہ سماجی، معاشی صورتِ حال کے بارے میں ایک قرارداد میں اعلان کیا کہ بدعنوانی، اقربا پروری، جانبداری، موقعہ پرستی، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، بلیک میل اور سمگلنگ روزمرہ کا معمول بن گئے ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے تبصرے کو یہ سمجھ کر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ایسے لوگوں کے حلقے کا تبصرہ ہے جو اقتدار سے محرومی کی چوٹ کھائے ہوتے ہیں۔ موجودہ حکومت کے سابقہ شریکِ کاروں کی طرف سے اس سے زیادہ شدید حملے ہوتے ہیں۔ جمعیت العلمائے پاکستان کے صدر مولانا شاہ احمد نورانی نے دسمبر کے آخر میں کہا تھا کہ پاکستان قومی اتحاد کے بعض رہنماؤں نے صوبائی حکومت یا بلدیاتی عہدوں پر نامزدگی کے خواہش مند افراد سے ۲۰۰۰ روپے (۲۰۰ امریکی ڈالر) جیسی حقیر رقم تک قبول کی ہے۔

پی این اے کے ایک سابق رہنما نے کھلے عام شکایت کی کہ جماعت اسلامی، پی این اے کی کرتا دھرتا

****

اب پی پی کے خلاف

الزامات موجودہ دھاندلیوں

میں ماند پڑ گئے ہیں

****

۶ جماعتوں میں سے ایک کے دفاتر پرمٹ اور لائسنس جاری کرنے والے حکامِ مجاز میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ وہ وزارت جو کھاد اور سیمنٹ کی تقریباً تمام ملکی پیداوار کو کنٹرول کرتی ہے یہ دونوں اشیا منتخب ایجنٹوں کے ذریعے فروخت کرتی ہے۔ اس وزارت کے سربراہ ایک جماعتی لیڈر ہیں۔ حال ہی میں جنتا نے تمام سیمنٹ تقسیم کنندگان کو نکال باہر کیا تاکہ جیسے کہ ناقدین الزام لگاتے ہیں، "صالحین" وہ خطاب جو جماعت نے اپنے اراکین کو دے رکھا ہے کو ان کی جگہ دی جائے۔

اسی طرح ملک میں فوجی حکومت کے قیام کے فوری بعد صوبہ سندھ میں راشن کی دکانیں جن کے ذریعے آٹا اور شکر تقسیم ہوتے ہیں، جماعت کی سفارش پر نئے سرے سے الاٹ کی گئیں۔

ایک زیادہ شدید الزام کا تعلق ملک کی درآمدی پالیسی میں اچانک اور بار بار تبدیلیوں کے حکومت کے اختیار کردہ نئے طریقۂ کار سے ہے۔ معاشرے میں کمیابی کی موجودہ صورتِ حال میں یہ تبدیلیاں لازماً بدعنوانی اور اختیارات کے غلط استعمال کی راہیں کھولتی ہیں۔ اسی طرح کے ایک اور شدید نوعیت کے الزام کا تعلق سول ملازمین کو یک طرفہ طور پر علیحدہ کرنے اور خالی آسامیوں کو سیاسی سفارش کی بنیاد پر پُر کرنے سے ہے۔

ایک ایک وزیر اور خاص طور ان کے بارے میں جو اسلامی خوبیوں پر اکثر وعظ کرتے رہتے ہیں بہت کچھ کہا جا رہا ہے۔ مقامی اخبارات نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اوائل جنوری میں ایک وزیرِ مملکت کا استعفیٰ درحقیقت ان کے سینئر رفقا کار کی بے قاعدگیوں کے خلاف ایک احتجاج تھا۔

اوائلِ جنوری میں ایک وفاقی وزیر نے اپنی بیٹی کی شادی کے موقعے پر اعلانیہ خرچ کے تمام مقامی ریکارڈ توڑ دیئے۔ ۹۰۰۰ مہمانوں میں سے جنہیں انہوں نے مدعو کیا تھا حقیقتاً ۲۰۰۰ نے شادی میں شرکت کی۔ جن میں جنتا کے سربراہ جنرل ضیاء الحق، دوسرے فوجی

لاڑکانہ شوگر ملز کا منصوبہ بھٹو نے نہیں یحییٰ نے منظور کیا تھا

بھٹو دور کے بارے میں قرطاسِ ابیض کے چوتھے حصے میں جو موجودہ حکومت کے دعویٰ کے مطابق اقتصادی زرعی اور صنعتی بدعنوانیوں پر مشتمل ہے یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ لاڑکانہ میں شوگر ملز قائم کر کے حکومت کو کروڑوں روپے کا نقصان پہنچایا گیا۔ شوگر ملز ایک ایسے علاقہ میں قائم کیا گیا جہاں گنے کی پیداوار بالکل نہیں ہوتی! اس ضمن میں صنعتی ترقیاتی بورڈ نے بھٹو حکومت کو مشورہ دیا

تھا کہ لاڑکانہ میں شوگر ملز قائم نہ کی جائے لیکن مسٹر بھٹو نے اس مشورے کو نظر انداز کر کے ملز کے قیام کے منصوبے کی اجازت دے دی جس سے سرکاری خزانہ پر ناقابلِ بیان بوجھ پڑا۔

بھٹو فوبیا کے مرض میں مبتلا قرطاسِ ابیض کے خالق اگر لاڑکانہ شوگر ملز کے قیام کے سلسلے میں حقائق کی چھان بین کر لیتے تو ایسی فاش غلطی نہ کرتے جس کی وجہ سے "سیاہ دور" کی اس "سفید دستاویز" کی صداقت پر سیاہ دھبے آب و تاب سے چمکتے دکھائی دے رہے ہیں اصل حقیقت یہ ہے کہ لاڑکانہ شوگر ملز کے قیام کی تجویز بھٹو دورِ حکومت میں پیش نہیں کی گئی تھی، بلکہ اس سے قبل یحییٰ خان کے زمانہ میں جب رحمان گل سندھ کے گورنر تھے تو انہوں نے لاڑکانہ میں شوگر ملز تعمیر کرنے کی تجویز کی حمایت کی تھی اور اس کو قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بعد میں جب یحییٰ خان مستعفی ہو گیا اور پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہوئی تو اس تجویز کی روشنی میں لاڑکانہ میں ٹیکسلا کے ہیوی کمپلکس اور چینیوں کے تعاون سے شوگر ملز تعمیر کی گئی۔ لہٰذا لاڑکانہ شوگر ملز کا قیام اگر "جرم" ہے تو اس کی ذمہ داری مسٹر بھٹو کے سر ڈالنا سراسر ناانصافی ہے۔

قرطاسِ ابیض میں کہا گیا ہے کہ لاڑکانہ میں گنے کی پیداوار نہیں ہوتی لہٰذا وہاں شوگر ملز قائم کرنے کی تجویز غلط تھی۔ اطلاعاً عرض کریں گے کہ پنجاب انڈسٹریل ڈویلپمنٹ بورڈ کی سفارش پر بھی پتوکی اور لپسروہ

میں گنے کے کارخانے لگائے گئے ہیں جب کہ ان علاقوں میں گنے کی کاشت نہیں ہوتی۔

لاڑکانہ میں شوگر ملز کے قیام کی تجویز اس لئے پیش کی گئی تھی کہ یہاں چاول کی ایک غیر مقبول قسم جوشی کی کاشت ہوتی ہے۔ کسانوں کو اس کاشت سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا نہ ہی اس کی برآمد سے زیادہ زرِ مبادلہ کمایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ حکومت نے کاشتکاروں کو گنے کی کاشت کی جانب راغب کرنے کے لئے ملز کے قیام کا منصوبہ تیار کیا۔ واضح رہے کہ گنے کی کاشت نقد آور فصلوں میں شمار ہوتی ہے۔ ایسے کسی منصوبے کے ابتدائی ایام نقصان دہ ضرور ہوتے ہیں، لیکن بعد میں سودمند ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ ماہرینِ زراعت کا کہنا ہے کہ لاڑکانہ شوگر ملز کے قیام کے مطلوبہ نتائج بھی تاخیر سے برآمد ہوں گے۔

افسر، سفارت کار اور پی این اے کے رہنما شامل تھے۔ یہ اس مقامی قانون سے قطع نظر تھا جس کے تحت مہمانوں کی تعداد ۱۰۰۰ اور دولہا، دلہن کے تحفوں سمیت اخراجات کی حد ۱۰۰۰۰ روپے مقرر ہے۔ شاندار دوپہر کا کھانا کھلایا گیا جس پر ۲۰۰۰۰ روپے خرچ ہوئے۔

یہ بات قابلِ فہم ہے کہ اب عام لوگ "احتساب" کے نام سے ہی خفا ہوتے ہیں۔ جنتا اور پی این اے کے رہنما عام انتخابات کے غیر معینہ مدت کے لئے التوا کا سبب پی پی پی کے رہنماؤں کی مبینہ غلط کاریوں کو ریکارڈ پر لانا بتاتے ہیں۔ اب روز افزوں شد و مد سے جو دلیل دی جا رہی ہے یہ ہے کہ پی پی پی کے خلاف حکومت کی جانب سے لگایا جانے والا شاید ہی کوئی ایسا الزام ہو جس کی دُگنی قوت کے ساتھ وہ خود اپنے لئے دعوت نہ دے رہی ہو۔

وہ پارٹیاں جو اس وقت فوج کے ساتھ مل کر ملک پر حکمرانی کر رہی ہیں۔ اب انہوں نے مخالف سیاسی جماعتوں کے جلسوں کو بگاڑنا بھی شروع کر دیا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر پابندی کے مارشل لاء ضابطے کے باوجود پی این اے کے رہنما شاید ہی ان کے بغیر کبھی اپنے حامیوں سے خطاب کرتے ہوں! اسی طرح پی پی پی کے وزراء کے خلاف ان الزامات کے باوجود کہ انہوں نے سرکاری سہولتوں کو سیاسی دوروں اور پارٹی پروپیگنڈے کے لئے استعمال کیا، پی این اے کے وزراء ریڈیو، ٹیلی ویژن اور دوسرے سرکاری ذرائع ابلاغ اور سرکاری گاڑیوں کو انہی مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

ان الزامات کی پسپائی کے خلاف حکومت نے پی پی پی کی حکومت کے پانچ سالوں کو سیاسی جرائم کے دور کے طور پر پیش کرنے کے لئے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ایک مہم شروع کی ہے۔ یہ مہم اس وقت شروع کی گئی ہے جب کہ سپریم کورٹ پی پی پی کے چیئرمین اور سابق وزیراعظم کی تقدیر پر غور کر رہی ہے۔

اب محسوس ہوتا ہے کہ پی پی پی کو ماضی میں ظلم و جبر کا ملزم گردانتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ حکومت کی تبدیلی ایسے ہزاروں سیاسی کارکنوں، صحافیوں، طلباء، ٹریڈ یونین رہنماؤں اور کئی دوسروں کو سامنے لا سکتی ہے جن پر پچھلے ۱۸ ماہ میں کوڑے برسائے گئے ہیں، جنہیں جیلوں میں ڈالا گیا ہے اور انہیں ان عذابوں سے گزارا گیا ہے جو ابھی تک بیان نہیں ہوتے ہیں ●●

سوویت یونین اور افغانستان سے دوستی اور تعاون کی راہ اختیار کی جائے

معراج محمد خان

قومی محاذِ آزادی کے سربراہ جناب معراج محمد خان نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا ہے کہ حکومت آج بھی اسی خارجہ پالیسی پر عمل پیرا ہے جس کی بنا پانچویں عشرہ کے اوائل میں امریکی حکومت کی مدح سرائی اور کاسہ لیسی پر رکھی گئی تھی اور جو محمد علی بوگرہ کے دورِ حکومت میں امریکی سامراج کے ساتھ دو طرفہ فوجی معاہدوں پر منتج ہوئی۔ یہ ایک آفاقی حقیقت ہے کہ تیسری دنیا کے پچھلے ہوئے عوام کا سب سے بڑا دشمن سامراج ہے جس نے فاشزم اور سیاسی دہشت پسندی میں یقین رکھنے والی حکومتوں کو جنم دیا اور جو ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں غربت ناخواندگی اور مفلسی پھیلانے کا ذمہ دار ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ سامراج کمزور قوموں پر اپنا سیاسی اور اقتصادی تسلط قائم کرنے کے لئے امداد اور قرضوں کی بھرمار کر کے ان کی معیشت کو مفلوج کر دیتا ہے۔ وہ مقامی جاگیردار طبقے اور اپنے حواری طبقوں سے مل کر اجارہ داری کو جنم دیتا ہے جس کے نتیجے میں ان غریب ملکوں کے عوام کو محرومی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر ہم اپنی خارجہ پالیسی کا حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ پاکستان کو فوجی معاہدوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے بے پناہ نقصان ہوا ہے۔ نہ صرف ان معاہدوں سے ہمارا وقار مجروح ہوا ہے بلکہ ایک قوم کی حیثیت سے ہمارا اعتماد بھی تباہ ہو گیا ہے۔ کمیونسٹ جارحیت کے نام نہاد خوف کی بنیاد بنا کر ان فوجی معاہدوں میں شامل ہونے کی وجہ سے سوشلسٹ ممالک ہمیں اپنا دشمن تصور کرتے ہیں۔ غیر جانبدار ممالک ہمیں اپنی صفوں میں شامل نہیں کرتے اور سامراجی ممالک ہمیں اپنا کاسہ لیس سمجھ کر ہماری پرواہ نہیں کرتے۔ ہمارے ان نام نہاد اتحادیوں نے بھارت کے ساتھ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران نہ صرف ان معاہدوں پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کی بلکہ ہمیں فاضل پرزوں تک کی ترسیل سے محروم کر دیا۔ امریکی حکومت کے سرکاری بیانات سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ وہ بنگلہ دیش کی علیحدہ حکومت قائم کرنے کے حق میں تھا۔ فی الحال صورتِ حال یہ ہے کہ امریکہ نے اپنے نائب وزیر خارجہ کے ذریعہ پاکستان کو ہدایت کی ہے کہ وہ افغانستان میں روس کے عمل دخل سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کی روشنی میں بھارت کے ساتھ اپنے تعلقات اور بہتر بنانے کی کوشش کرے۔ واضح رہے کہ آج کل بھارت اس علاقے میں امریکی مفادات کا سب سے بڑا محافظ ہے۔

جناب معراج محمد خان نے کہا کہ ان غریب ممالک کی حکومتیں اقتصادی ترقی کے لئے بین الاقوامی مالی فنڈ عالمی بینک اور دوسری ایجنسیوں کی اقتصادی پالیسیوں پر عمل کرتی رہی ہیں جس کے نتیجے میں ان اداروں نے ہمیشہ پاکستان میں کھاد بنانے کے کارخانے، مشین بنانے اور فولاد وغیرہ کی صنعتوں کے قیام میں بے پناہ دشواریاں پیدا کی ہیں۔ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کا حشر تو ابھی تازہ ہے یہ ادارے مالی امداد کے لئے اپنی شرطیں منواتے رہے ہیں۔ تاکہ ان غریب ممالک کے عوام کی لوٹ کھسوٹ کے لئے راہ ہموار ہو۔ مثلاً ان ممالک کی کرنسی کی قیمتوں میں تخفیف جس کا نتیجہ افراطِ زر کی شکل میں برآمد ہوتا ہے اور ہر پانچ سال کے بعد یہ عمل دہرایا جاتا ہے۔ وسائل بڑھانے کے نام پر غریب ممالک کو بھاری ڈیوٹی اور ٹیکس لگانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جس سے روز مرہ استعمال کی اشیا کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور عوام کی جیبوں پر مزید بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ مقامی حکام کو ترقیاتی امداد کا پہلے وعدہ کیا جاتا ہے اور کوئی حاکم اگر کسی بھی مسئلہ پر آزادانہ پالیسی اختیار کرے تو سامراج پہلے ان پر دباؤ ڈالنے کے لئے اپنے وعدوں سے مُکر جاتا ہے۔ ایسی صورت میں غریب ملکوں کے اپنی کم سے کم ترقیاتی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی خسارے کی سرمایہ کاری پر انحصار کرنا پڑتا ہے جس سے افراطِ زر کے رجحانات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں اور آخر کار ملک کی معیشت عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ پاکستان کے عوام اب ان حقائق سے اچھی طرح واقف ہو گئے ہیں اور اپنے آپ کو اس نام نہاد امداد کے چکر سے نکالنے کے لئے متحد ہو رہے ہیں۔

انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ واضح الفاظ میں اعلان کرے کہ وہ پاکستان کا علاقہ ایران کی عوامی تحریک کو کچلنے کے لئے استعمال کرنے کی اجازت کسی قیمت پر نہیں دے گا۔ یہ خدشہ دور کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ حال ہی میں ایران کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے امریکی حکومت کی حفاظتی کمیٹی نے فوجی منصوبے کی تفصیلات پر غور کیا ہے۔ جناب معراج محمد خان نے کہا کہ سینٹو کی افادیت اور فوائد اور نقصانات پر خاصی بحث ہو چکی ہے۔ اب حکومت کو چاہیئے کہ وہ سینٹو سمیت تمام فوجی معاہدوں سے باہر آ کر ایران اور تمام دنیا کے امن پسند عوام کی حمایت کا عملی ثبوت فراہم کرے۔ نیز یہ کہ پاکستان کی علاقائی سالمیت اور بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر سوویت یونین اور افغانستان سے دوستی اور تعاون کی راہ اختیار کرے۔ نیز یہ کہ موجودہ افغان حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والے رجعت پسندوں کو پاکستان کی حدود میں داخل ہونے یا اڈے بنانے کی ہرگز اجازت نہ دے۔

**

ایران کی اقتصادی صورتحال کا تجزیہ

ایرانی تیل کے ذخائر ختم ہونے والے ہیں

پہلے سے موجود اقتدار اور سماجی ڈھانچوں میں نرمی نے تباہی کا راستہ ہموار کیا

مڈل ایسٹ ریسرچ اینڈ انفارمیشن پروجیکٹ کے شکریئے کے ساتھ

ایرانی معیشت کے پچھلے دس سالوں کا جائزہ واضح طور پر دو نمایاں دھڑوں میں تقسیم دکھائی پڑتا ہے۔ ایک تو رجائیت پسند گروہ جو شاہ اور ان کے وزراء سے شروع ہوتا ہے اور دوسرا "قنوطیت پسند" گروہ جس میں تمام کی تمام ایرانی حزب اختلاف اور مغربی ممالک کے علمی اور مالیاتی ماہرین کی روز افزوں تعداد شامل ہے۔ رجائیت پسند تیل کے محصولات کے بے پناہ امکانات جو تبدیلیاں پہلے ہی حاصل کر لی گئی ہیں اور اگلے بیس سال میں ان کے عظیم امکانات پر زور دیتے ہیں۔ سب سے زیادہ رجائیت پسند شاہ کی وہ ہدایت ہے کہ ایران ایک "عظیم تہذیب" بن جائے اور ۱۹۸۰ء کے آخر تک بڑے صنعتی ممالک کا ہم پلہ بن جائے۔ ایران میں وہ افسر جنہیں اقتصادی ذمہ داریاں تفویض کی گئی ہیں اپنی کارگزاری کا حوصلہ افزا نقشہ پیش کرتے ہیں اور مستقبل میں جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں اس کے بارے میں پرشکوہ اعلانات کرتے ہیں۔ جب معاملات بگڑ جاتے ہیں اور اکثر بگڑتے ہی رہتے ہیں اور ان کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے تو رجائیت پسند آسان سی وضاحتیں پیش کرتے ہیں جیسے کہ ایرانی سرکاری حکام یا ایرانی اور غیر ملکی تجارتی اداروں کی بدعنوانی، وہ دوگنی چوگنی قیمتیں جو ایران کو ادا کرنی پڑتی ہیں۔ عربوں کی یہ سازش کہ ایران کو اپنے تیل کی برآمدات میں ممکن حد تک اضافے سے روکا جائے۔ شاہ وقفے وقفے سے ڈرامائی اقدامات کرتے رہتے ہیں تاکہ یہ تاثر دیں کہ تبدیلیاں واقع ہورہی ہیں۔ زیاں کے خلاف ایک کمیشن قائم کر دیا جاتا ہے یا بدعنوانی کے خلاف ایک مہم شروع کر دی جاتی ہے کسی غیر ملکی تجارتی ادارے پر مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ ہویدا آموزگار کے وزیراعظم بننے کے لئے راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔

اب سرکاری پروپیگنڈہ نے بھی لہجہ بدل لیا ہے، مخصوص سرکاری افسروں پر تنقید روزمرہ کی بات بن گئی ہے تاکہ مجموعی تجزیئے کا رخ بدلا جاسکے۔

قنوطیت پسند تجزیئے کی مخصوص طرز پر "گارجین" (لندن ۱۰ اپریل ۱۹۷۸ء) نے ایک مضمون میں ان "گمبھیر اقتصادی اور سیاسی مسائل" کا ذکر کیا ہے جن کا شاہ کو سامنا ہے:۔

"پانچویں منصوبے کی بہت ساری رقم ضائع کر دی گئی ..... تفصیلی مسائل تیسری دنیا کی معیشت کی دہشتناک کہانیوں کے ابتدائی قاعدے کی تشکیل کرتے ہیں۔ مزدوروں کی ایک بگڑی ہوئی اور بڑی حد تک غیر مہنر مند فوج جو اجرتوں میں ۲۵ سے ۵۰ فیصد سالانہ اضافے کی عادی ہوگئی ہے۔ نظم وضبط کا کوئی تصور نہیں رکھتی۔ پیداواریت کی سطح نیچی ہے اور مزید گر رہی ہے۔ حکومت بہت خوش ہے کہ افراط زر سالانہ ۳۰ فیصد کی شرح سے گھٹ گئی ہے۔ غذائی اجناس کی درآمد تقریباً ۲ ارب ڈالر سالانہ ہے کیونکہ کسان اور کاشتکار شہروں کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں۔ ماہرین معاشیات کہتے ہیں کہ شاہ کے بس میں کچھ بھی نہیں۔"

اسی مضمون میں اس حقیقت کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ تو دولتیہ ایرانی بورژوازی اپنی رقم غیر ممالک میں رکھ رہی ہے اور اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ عام شہری افراد کی طرف سے جو رقم ملک سے باہر منتقل کی جارہی ہے اس کی مقدار کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ تقریباً ۳ ارب ڈالر ہے یعنی تیل کی برآمدات سے حاصل ہونے والی رقم کا تقریباً ۱۵ فی صد۔

ایرانی سرمایہ دار ۳، ارب ڈالر غیر ممالک منتقل کر چکے ہیں

ایران اس وقت اپنی تاریخ کے شدید ترین بحران کی گرفت میں ہے شہنشاہیت کے ڈھائی ہزار سال مکمل ہونے پر دولت کے دریا بہا کر جشن منانے والے شہنشاہ آریہ مہر رضا شاہ پہلوی ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے نامزد کردہ وزیر اعظم شاہ پور بختیار مسند اقتدار پر جمے رہنے کے عزم کا بار بار اظہار کر رہے ہیں اور حالیہ تحریک کے رُوحِ رواں آقائے آیت اللہ روح اللہ خمینی ان کی حکومت کو غیر قانونی قرار دے چکے ہیں اور تاحال اپنے موقف پر قائم ہیں۔ عالمی طاقتیں اس تبدیل شدہ صورتحال میں اپنی اپنی پالیسی کو نئے سانچوں میں ڈھالنے پر غور کر رہی ہیں لیکن ان کے سامنے بھی سب سے بڑا سوال یہی ہے کہ ایرانی صورتحال آئندہ کیا رخ اختیار کرنے والی ہے ؟

سیاست درحقیقت کسی ملک کی معیشت میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کے نتیجے میں نئے روپ اور نئے رخ اختیار کرتی ہے پچھلے کئی ماہ سے ایران کی ہیجان خیز سیاست دنیا بھر میں موضوع بحث رہی ہے لیکن اس صورتحال کے معاشی عوامل و محرکات نظروں سے اوجھل رہے ہیں۔ اسی پہلو کو اجاگر کرنے کے لئے ہم ذیل میں فرید حلیدی کے ایک مضمون کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں یہ مضمون ان کی اپنی کتاب "ایران، آمریت اور جمہوریت" کا اقتباس ہے اور یہ مضمون انہوں نے ۶-۷ مئی ۱۹۷۸ء کو برسیلز میں منعقد ہونے والے "ایران کے بارے میں بین الاقوامی مذاکرے" میں پیش کیا تھا اور جسے "مڈل ایسٹ ریسرچ اینڈ انفارمیشن پروجیکٹ" نے اپنے جریدے کے شمارہ ۶۹ میں شائع کیا ہے۔

قنوطیت پسندوں میں ناراض امریکی سفارت کار اور عالمی بنک کے افسران بھی شامل ہیں جو شاہ پر تنقید کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کے مشورے قبول نہیں کئے اور اس علاقے میں سرمایہ داری کے مستقبل کو خطرے میں ڈال دیا۔ وہ حکومت کے بائیں بازو پر بھی تنقید کرتے ہیں جو اپنی مخاصمت کی توثیق کے لئے سازگار فضا کو پہچاننے میں تیز نکلے اور شاہ کی ناکامی کے بارے میں ان کی پیش گوئیاں درست ثابت ہوئیں۔ عمومی طور پر قنوطیت پسندوں کی بات درست ہے اور رجائیت پسند گروہ کی خیالی جنت اور پروپیگنڈہ کی قلعی روز بروز زیادہ کھلتی جا رہی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ غلط ہوگا اگر قنوطیت پسندوں کی رپورٹوں کو جو اکثر گمراہ کن ہوتی ہیں جانچ پڑتال کے بغیر درست مان لیا جائے۔

قنوطیت پسندوں نقادوں کے خیالات ہمیشہ ایسے نہیں ہوتے جو ایرانی سماج اور معیشت کے سائنسی تجزیئے میں معاون ہو سکیں۔ سرمایہ دار نقاد، بنکیر، تاجر اور مغربی سفارت کار ۷۸-۱۹۷۱ء میں تیل کی قیمتوں میں اضافے پر ناراض چلے آ رہے ہیں اور ہر ایسی افواہ اور داستان کو پھیلانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں جس سے انہیں فائدہ پہنچے۔ ان تمام باتوں کا جامع اظہار "کرلیش ۷۹ء" نامی ناول ہے جس میں شاہ کو ایک بڑا بننے کا خبطی جنگجو بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ تجزیئے کی یہ صورت گمراہ کن کیوں ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ لازمی طور پر غلط ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دوسرے گہرے سوالات سے توجہ ہٹاتا ہے مثلاً تیل کی قیمتوں میں اضافے جیسے تنازع میں ملوث سرمایہ داروں کے آپس کے اختلافات اور ایرانی معیشت میں موجودہ تضادات کی طبقاتی نوعیت) ایران کے اقتصادی پروگرام پر بورژوا اور آزاد خیال تنقید، جس میں سے ایک "گار جینٹ" نے نقل کیا ہے، یہ ہے کہ ایران کے معاشی بحران کی ایک بڑی وجہ مزدوروں کی اجرتوں میں بہت زیادہ اضافہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تنقید کا مقصد شاہ کو یہ ہدایت کرنا ہے، اگر وہ سنیں، کہ وہ زیادہ مؤثر سرمایہ دار ایران کیسے چلائیں، گو کہ ان سے حقیقی اور درست معلومات کی بڑی مقدار حاصل ہو سکتی ہے لیکن ایرانی معیشت پر اس تنقید کو استعمال کرنے میں بائیں بازو کو بے حد احتیاط برتنی چاہیے۔

ایرانی معیشت کے بائیں بازو کے بعض تجزیوں میں بھی توڑنے مروڑنے کے مقاصد پائے جاتے ہیں۔ حزب اختلاف کے ایک حصے کی توجہ صرف یہ ثابت کرنے پر مرکوز رہتی ہے کہ شاہ کی اصلاحات فریب ہیں اور یہ کہ اتنی تبدیلیاں نہیں ہوتی ہیں جن کا شاہ دعویٰ کرتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء سے ایران میں کافی تبدیلیاں آئی ہیں چاہے اس طرح نہ آئی ہوں جس کا شاہ دعویٰ کرتے ہیں۔

اس کے برعکس دوسرے اپنی تنقید اس اظہار افسوس پر مرکوز رکھتے ہیں کہ ایران میں پہلے سے موجود اقدار اور سماجی ڈھانچوں کو حالیہ ترقی نے تباہ کر دیا ہے، ان کا انداز نرودنکوں کی یاد تازہ کرتا ہے جن پر لینن نے اپنی کتاب "روس میں سرمایہ داری کا ارتقاء" میں سخت تنقید کی ہے۔ لینن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ روس جیسے ملک میں ۱۸۹۰ء کے زمانے میں سرمایہ دارانہ سماجی اور معاشی رشتوں کا ارتقاء ترقی پسندانہ تھا۔ اس لئے جو تباہی پھیلائی اور اس کی جو قیمت ادا کرنی پڑی اس کے باوجود اس نے عوام کے احتیاج اور جبر سے نجات اور سوشلزم کے لئے امکانات میں اضافہ کیا۔ ایران میں سوشلسٹوں کا فرض یہ ہے کہ حالیہ سماجی معاشی تبدیلیوں کی کوتاہیوں کی نشاندہی کریں اور سرمایہ داری کا ایران اور دوسری جگہوں پر جو بنیادی فریضہ ہے یعنی سرمایہ دارانہ زراعت اور مضبوط صنعتی شعبے کا ارتقاء، عوام کے تعلیمی اور صحت کے معیار میں اضافے میں ناکامی کی نشاندہی کریں جبکہ ایک طرف شاہ کی لائی ہوئی بعض تبدیلیاں تاریخی اعتبار سے ناگزیر اور لینینی اصطلاح میں ترقی پسندانہ تھیں، حکومت کا حالیہ بحران اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ سرمایہ داری ایرانی معاشرے کو تبدیل کرنے میں ناکام ہو رہی ہے اور اس تبدیلی کو زیر عمل لانے میں تیل کی محصولات کو، جو ایک عارضی برتری ہے، استعمال کرنے میں ناکام ہو رہی ہے۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوگا کہ صرف تیل کی محصولات نے ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کے درمیان شاہ کو وہ وسائل فراہم کئے کہ وہ اپنی حکومت کو مستحکم کر سکیں۔ اس لئے اگلے ۱۰، ۱۵ سال میں محصولات میں ممکنہ کمی ان بنیادوں میں سے ایک بنیاد کو ختم کرنے کی جن پر پہلوی بادشاہت کا انحصار تھا۔

شہری ابھرتی مزدور طبقہ
انتہائی منتشر حالت میں ہے!

حالیہ سماجی تبدیلیاں

بڑی تبدیلیوں میں سے ایک تبدیلی ملکی آبادی کی تقسیم کا انداز ہے۔ ۱۹۳۰ء تک ۲۱ فی صد کے قریب آبادی شہروں میں رہتی تھی (۵۰۰۰ یا اس سے زیادہ آبادی کی بستیاں) ۱۹۷۶ء کی آخری مردم شماری سے یہ بات ظاہر ہوتی کہ ۳ کروڑ ۳۶ لاکھ کی آبادی میں سے ایک کروڑ ۵۰ لاکھ (۴۵ فیصد) شہری علاقوں میں اور ایک کروڑ ۹۰ لاکھ آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔ ایک تخمینے کے مطابق ۱۹۹۲ء میں ایران کی آبادی ۵ کروڑ ۳۵ لاکھ ہو جائے گی اور اس وقت شہروں میں رہنے والی آبادی ۷۰ فیصد ہو جائے گی۔ ایران ابھی تک شہری غلبہ رکھنے والا معاشرہ نہیں ہے اور آئندہ چند دہائیوں تک ایسا نہیں ہو سکے گا لیکن ڈرامائی اور شاید مستقلاً شہروں کی طرف انتقالِ آبادی کا عمل رہا ہے اس کا اثر ان طاقتوں پر پڑے گا جو حکومت کے لئے خطرہ بن سکتی ہیں۔

شہریت کی طرف رجوع کا یہ تدریجی عمل ملازمتوں کے طرز میں تبدیلی کے ساتھ جاری رہا ہے۔ ۱۹۴۶ء تک ایران میں محنت کرنے کے قابل کل تعداد کا ۷۵ فیصد زرعی شعبے میں کام کرتا تھا لیکن یہ ۱۹۶۶ء میں گھٹ کر ۴۰ فیصد رہ گئی، ۱۹۷۷ء میں اندازہ لگایا گیا تھا کہ صرف ۴۰ فیصد بلکہ ۳۳ فیصد کی کم سطح تک محنت کرنے کے قابل آبادی زرعی شعبے سے وابستہ تھی۔ آبادی کا بڑا فیصد حصہ اب بھی دیہی علاقوں میں رہ رہا تھا (۵۵ فیصد) لیکن ان کا وافر حصہ تعمیرات اور دیہی صنعتوں جیسے غیر زرعی روزگار میں مشغول ہے ۱۹۷۷ء میں مزدوروں کی ایک کروڑ ۳ لاکھ اور ایک کروڑ ۶ لاکھ کی مجموعی تعداد میں سے تقریباً ۲۵ لاکھ کسی نہ کسی قسم کی اشیاء کی تیاری ۱۰ لاکھ تعمیرات اور ۳۰ لاکھ سے زیادہ ملازمتوں سے وابستہ تھے۔

جو معلومات حاصل ہیں ان کی بنیاد پر یہ ممکن نہیں ہے کہ آبادی اور ملازمتوں کے ان اعداد و شمار کو واضح طبقاتی اصطلاح میں بیان کیا جائے کیونکہ ایرانی سماج میں آمدنی، خرچ اور ملکیت کے طریقوں کے بارے میں مواد نامکمل ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ ایرانی معاشرے کی ساخت میں پچھلے ۲۰ سالوں میں ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں کچھ عوامی نوعیت کا تبصرہ کیا جائے جس سے ایک ہلکا سا خاکہ سامنے آئے گا کہ کیا کچھ وقوع پذیر ہوا ہے۔

ابتداءً۔ چند سماجی گروہ جنہیں سرمایہ دارانہ ارتقاء نے گھر سے بے گھر کیا تھا۔ زوال کا شکار ہوئے۔ دیہی علاقوں میں سب سے بڑے زمیندار اپنی کچھ زمین سے محروم ہوئے اور ان کی جگہ ریاست ایک حاوی اور غالب طاقت کے طور پر دیہی علاقوں میں گھس آئی انہیں نہ ختم کیا گیا نہ حکمران طبقے سے خارج کیا گیا۔ لیکن ان کی روایتی املاک اور اس سے وابستہ اقتدار میں یقیناً کمی آئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ ایرانی معاشرے میں خانہ بدوشی کی اہمیت میں مسلسل کمی ہوتی آئی ہے

ایران کی صورتحال آئندہ کیا رخ اختیار کرنیوالی ہے

اس صدی کی ابتدائی دہائیوں میں ۲۵ فیصد بلکہ ایک تہائی ایرانی خانہ بدوش تھے۔ اب ۲۰ لاکھ (۶ فیصد) کے قریب موسموں کے اعتبار سے ترکِ سکونت کرتے ہیں اور خانہ بدوشوں کی آبادی اور اس کے ساتھ ساتھ سیاسی دباؤ میں بڑی حد تک کمی واقع ہو گئی ہے۔ شہروں میں جس چیز کو نقصان پہنچا وہ بازار ہے جو تاریخی طور پر مالیاتی اور تجارتی اقتدار کا مرکز تھا جو اب نئے مالیاتی اداروں (بنکوں) نئے تجارتی حقوق کاروباری اداروں اور کمپنیوں کے ارتقاء سے کمزور ہو گیا ہے۔ موجودہ دور کی سرمایہ دار طاقتوں کے فروغ نے بازار کو مکمل طور پر تباہ کر دیا ہے اور اب اس کے باہر موجود ادارے جو اس پر غالب آگئے ہیں خود اسی سے ۱۹۴۰ء کے قریب کے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں لیکن اس کے معاشی اور سیاسی وزن میں ناقابل تبدیلی اور ناقابل انکار کمی ہوئی ہے۔ حال ہی میں فسادات کی شکل میں ظاہر ہونے والا تاجروں کا غصہ ان کے بے گھر کئے جانے کا نتیجہ ہے۔

ایران میں اس سے بالکل مختلف ایک طبقاتی نقشہ ابھر رہا ہے جس کے خدوخال ابھی واضح نہیں ہیں لیکن جو واضح طور پر پچھلے ۲۰ سال کے دوران ہونے والے معاشی ارتقاء کی پیداوار ہے۔ خاص طور پر ۳ طرح کے تدریجی اعمال کا بغور مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اول یہ کہ دیہی علاقوں میں طبقاتی ڈھانچے میں بڑی تبدیلیاں آئی ہیں۔ یہ ۷۱-۱۹۶۲ء کے زرعی اصلاحات کے پروگرام کے بعد ہوا گو کہ یہ اصلاحات اقتصادی اعتبار سے ناکام رہیں لیکن اس کی وجہ سے دیہاتوں کے سیاسی ڈھانچے میں کافی تبدیلیاں واقع ہوئیں وہ تبدیلیاں جو آبادی کے دیہاتوں سے شہر کی طرف انخلاء کے ساتھ ساتھ وجود میں آئیں۔ یہاں یہ موقع نہیں ہے کہ زرعی اصلاحات کی پیچ در پیچ تاریخ کو بیان کیا جائے لیکن ہم اس پورے تدریجی عمل کا خلاصہ بیان کر سکتے ہیں۔ اصلاحات کے شروع ہونے سے پہلے ایرانی دیہی علاقوں میں تقریباً ۳۵ لاکھ خاندان آباد تھے جن کی بڑی اکثریت کے پاس کافی زمین نہیں تھی۔ اصلاحات کے ذریعے تقریباً ۱۶ لاکھ خاندانوں میں زمین تقسیم کی گئی اور اس طرح ان کی زمین کی حدِ ملکیت کے لحاظ سے لوئر زردازی یا پیٹی بورژوازی وجود میں آگئی۔ اس نئے صاحب جائیداد شعبے کو ان کی زمینوں کو ترقی دینے اور اشیاء کو فروخت کرنے کے لئے ریاست کی طرف سے رقم فراہم کی گئی اور اسے دیہاتوں میں قائم کی جانے والی نئی پیداکنندگاہ کی امداد باہمی کی انجمنوں پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ پرانے زمینداروں کے پاس ان کی زمین کا بڑا حصہ باقی رہا۔ انہیں بھاری معاوضے ادا کئے گئے اور وہ لوگ مکانوں کی سٹہ بازوں جیسی سرگرمیوں کی طرف متوجہ ہو گئے جس میں وہ پہلے سے بھی مصروف تھے گو کہ آدھی آبادی کو زمین مل گئی لیکن بقیہ آدھی آبادی اس سے محروم رہی بلکہ جو تھوڑی بہت کاشتکاری اور کام کرنے کا حق ان کی دسترس میں تھے ان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ ایک نیا دیہی صاحب جائیداد طبقہ پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک بے زمین طبقہ بھی پیدا کیا گیا جس کے پاس اپنی قوت محنت کے سوا بیچنے کے لئے کچھ نہ تھا۔

دوسری بات یہ کہ شہروں میں اجرتی مزدوروں کا ایک طبقہ وجود میں آچکا تھا۔ ۷۶-۱۹۵۶ء کے درمیان اشیاء کی تیاری اور تعمیرات ہر دو شعبوں میں ملازمین کی تعداد تین گنا ہو گئی اس لئے آج کے ایرانی سماج میں اجرتی مزدور (صرف پرولتاریہ تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کو شامل کرتے ہوئے) ایک بڑی اور نامعلوم قوت ہے جس کی تعداد ۳۰ لاکھ سے زیادہ ہے۔ اس طبقے کے عددی وزن کے باوجود اس کو سیاسی مقاصد کے لئے آسانی کے ساتھ متحرک نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں چند ہی لوگ کسی ایسی جگہ کام کرتے ہیں جس کا جدید صنعتی پلانٹ سے دور کا بھی واسطہ ہو۔ تیل کی صنعت جو محصولات کے اعتبار سے ایران کی بنیادی صنعت ہے۔ اس صنعت میں تقریباً ۴۰,۰۰۰ افراد ملازم ہیں (کل مزدوروں کا ۰.۵ سے بھی کم) اور تیل کی مزدور پیداوار میں زبردست اضافہ (۱۹۵۰ء سے ۲۰۰۰ فی صد سے زیادہ) سے یہ ممکن ہوا ہے کہ گزشتہ سالوں میں جتنے افراد کو ملازم رکھا گیا تھا اس میں کمی کر دی جائے۔

وہ مزدور جو اشیاء کی تیاری کی صنعت سے وابستہ ہیں ان

کی اکثریت چھوٹے پیمانے کی دست کاریوں کے اداروں سے تعلق رکھتی ہے۔ ۱۹۷۲ء میں اشیا تیار کرنے والے ۲ لاکھ ۲۵ ہزار اداروں میں سے ۲ لاکھ ۱۹ ہزار اداروں کے ملازمین کی تعداد ۱۰ سے کم تھی اور ۱۹۷۷ء میں اندازہ لگایا گیا تھا کہ اشیا کی تیاری کی صنعت میں ۲۰ فی صد (۱۸ لاکھ) ایسے اداروں میں کام کر رہے تھے جن کے ملازمین کی کل تعداد ۱۰ سے کم تھی۔ ان میں ایک بڑی اقلیت دیہی علاقوں میں قالین اور ٹیکسٹائل کے چھوٹے کارخانوں میں کام کرتی تھی۔ جدید صنعتی اداروں میں کام کرنے والے لوگوں کی تعداد شاید تقریباً ۷ لاکھ ہے جو معاشی سرگرمیوں میں عملاً شامل آبادی کے ۷ فی صد سے بھی کم ہے۔ اس لئے شہری اجرتی مزدور طبقہ انتہائی منتشر حالت میں ہے بہرحال ۱۹۷۳ء میں تیل کی قیمتوں میں اضافے کے بعد سے شہری مزدور طبقہ اس قابل تھا کہ اجرتی ڈھانچے پر اثر انداز ہونے کے لئے زبردست دباؤ ڈال سکے اور اجرتوں میں ۳۰ سے ۵۰ فیصد سالانہ اضافے کے لئے ہنر مند مزدور کی حیثیت میں اپنی اجارہ دارانہ پوزیشن کو استعمال کر سکے۔ اس صورتحال نے مقامی اور غیر ملکی آجروں کو احتجاج پر اکسایا اور حکومت نے نام نہاد بہبود کے پروگرام۔ مزدوروں کے حصے کا پروگرام۔ منافع میں شرکت کا پروگرام کے ذریعے اجرتوں کے دباؤ گھٹانے اور پیداوار میں اضافے کی کوشش کی۔ ایرانی حکومت نے یہ ناکام کوشش کی ہے کہ ان مزدوروں کو جن کی توانائی کی وہ محتاج ہے، پیداوار اور پیداواری صلاحیت میں اضافے کی اپنی کوششوں اور معیشت کی توسیع کے پروگرام میں شامل کرے۔

طبقاتی حد بندی کی دوسری طرف بڑی توسیع شدہ بورژوازی پیدا کی گئی ہے۔ انتہائی عام اصطلاح میں یہ بورژوازی، وہ طبقہ جو براہ راست یا بالواسطہ طور پر تیل کی قدر زائد کا بہت بڑا حصہ ہڑپ کر جاتا ہے اور حکومت جس کے مفادات کی حفاظت کرتی ہے، کو ۳ شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ریاستی ڈھانچے کے اوپر والے سرغنے جن میں فوجی اور غیر فوجی دونوں شامل ہیں۔ بڑے بڑے قطعات کے مالک سرمایہ دار زمیندار اور مالیات تجارت اور صنعت سے تعلق رکھنے والے نجی کاروباری لوگ۔ یہ بورژوازی بحیثیت مجموعی اپنی بقا کے لئے ریاست کی طرف سے معاشی وسائل اور اقتصادی رہنمائی پر انحصار رکھتی ہے اور اس طرح کا ایک آزاد عنصر نہیں ہے جیسا کہ ہندوستان جیسے ملک میں پایا جاتا ہے پھر بھی یہ طبقہ کچھ محدود پیش قدمیوں کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس نے عملی مظاہرہ کیا ہے کہ جب تک وہ شاہ کے اقتصادی پروگرام سے فائدہ اٹھا رہا ہے وہ اس بات کے لئے آمادہ نہیں ہے کہ اس طویل المیعاد سرمایہ کاری کے پروگرام میں شرکت کرے جس کی ایرانی معیشت کے استحکام کے لئے ضرورت ہے۔ ایرانی نجی سرمائے کا بہت بڑا حصہ تجارت اور جائداد میں لگا ہوا ہے۔ روز افزوں مقدار میں سرمایہ غیر ممالک بھیجا جا رہا ہے کیونکہ ایران میں جو لوگ دولت سمیٹ رہے ہیں یہ محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ

خوشحالی کی نوعیت عارضی ہے اور وہ اپنی دولت کو دوسرے سرمایہ دار ممالک میں زیادہ محفوظ سمجھتے ہیں اور وہاں دولت جمع کرنے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن یہ طبقہ پہلوی ریاست سے اپنے غیر مستحکم تعلق کے باوجود یہ جانتا ہے کہ یہ ایک سرمایہ دارانہ ریاست ہے جو ایرانی بورژوازی کے ... مفادات کا دفاع کرتی ہے اگر اس بورژوا طبقے کے ایران میں عروج پانے کو خطرہ لاحق ہو تو یہ طبقہ اپنے مفادات کے دفاع کے لئے لڑنے پر آمادہ ہوگا۔ اگر ایران میں سرمایہ دار ریاست کی اس مخصوص شکل، پہلوی بادشاہت کا تختہ الٹ جائے تب بھی ایرانی بورژوازی کا وجود برقرار رہے گا اور اسے اپنی حیثیت کے دفاع کے لئے عرب پاسٹنوں اور اس کے ساتھ ساتھ امریکہ سے بھی زبردست بین الاقوامی امداد ملے گی۔

تیل اور گیس

۱۹۶۰ء سے ایرانی معیشت میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہوئی ہے جبکہ ریاست نے مربوط انداز میں سرمایہ دارانہ ارتقاء کو فروغ دینا شروع کیا۔ مروجہ اصطلاح میں مجموعی قومی پیداوار میں ۱۹۶۰ء کے زمانے میں ۸ فیصد، ۷۳-۱۹۷۲ء میں ۳۳ر۱۴ فی صد، ۷۴-۱۹۷۳ء میں ۴۲ فیصد اضافہ ہوا۔ ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۸ء کے درمیانی عرصے میں مجموعی قومی پیداوار ۱۰ ارب ۳۰ کروڑ ڈالر سے بڑھ کر ۵۴ ارب ۶۰ کروڑ ڈالر ہو گئی۔ فی کس قومی پیداوار میں بھی کافی حد تک اضافہ ہوا ہے یہ ۱۹۷۱ء میں تقریباً ۴۵۰ ڈالر تھی جو ۱۹۷۷ء میں ایک ہزار ۳۴۴ ڈالر ہو گئی۔ ایک ماہر نے نشاندہی کی ہے کہ کئی اعداد و شمار مبالغہ آمیز ہیں صنعتی پیداوار کے اعداد و شمار میں مبالغہ کم ہے لیکن قیمتوں میں تبدیلی کے اعداد و شمار کو گھٹا کر بیان کیا گیا ہے جبکہ زرعی پیداوار کے اعداد و شمار سو فیصد بڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ قرضے کی کئی سہولتیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ترقیاتی کاموں پر خرچ کی گئی ہیں وہ خورد و نوش میں صرف ہوتی ہیں یا مکانوں کے سٹے جیسے شعبوں میں لگائی گئی ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے قومی پیداوار میں اضافے کے اعداد و شمار گمراہ کن ہیں کیوں کہ ان میں تیل کی فیصد بہت زیادہ ہے اور اس کی قیمت کے اضافے میں حقیقی پیداوار میں اضافے کو مضمر سمجھا گیا ہے حالانکہ واقعتاً ایسا نہیں ہوا ہے لیکن اس پر کچھ بھی شرطیں عائد کی جائیں اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ایران کا ریکارڈ کافی جاندار اور بے مثال ہے۔

اس پھیلاؤ کی بنیاد یقیناً تیل ہے۔ اسی گرم بازاری کا ایک اثر یہ ہے کہ تیل پر معاشی انحصار بڑھ گیا ہے۔ مجموعی پیداوار میں تیل کا حصہ ۷۳-۱۹۷۲ء میں ۱۹.۵ فی صد تھا اور ۷۷-۱۹۷۶ء میں بڑھ کر ۴۹.۷ فی صد ہو گیا۔ ۱۹۷۱ء میں سرکاری محصولات میں اس کا حصہ ۷۷ فیصد اور غیر ملکی زر مبادلہ کی آمدنی کا ۸۷ فیصد تھا۔ تیل کے بغیر ایران کی سابقہ اور آئندہ ترقی کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ تیل کے ذریعے سرکاری محصولات جو ۱۹۶۸ء میں ۸۱ کروڑ تھے، ۷۳-۱۹۷۲ء میں ۲ ارب ۲۵ کروڑ ڈالر اور ۷۶-۱۹۷۵ء میں ۱۹ ارب ۱۰ کروڑ ڈالر ہو گئے۔ سرکاری ترقیاتی منصوبوں میں بھی اسی مناسبت سے اضافہ ہوا ہے۔ پہلے منصوبے (۵۶-۱۹۴۸ء) کے دوران خرچ تخمینہ ۲۵ کروڑ ڈالر تھا۔ چوتھے منصوبے (۷۲-۱۹۶۸ء) کے دوران ۸ ارب ۲۸ کروڑ ۴۰ لاکھ ڈالر تھا۔ پانچویں منصوبے (۷۸-۱۹۷۳ء) میں تیل کی قیمت میں اضافے کے بعد ۶۹ ارب ڈالر تھا۔ اس کے باوجود اگر تیل نے ترقی کے مواقع فراہم کئے تو اس نے معیشت پر حد بندیاں بھی عائد کیں جنہیں صرف محصولات کے ذریعے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ تیل کی محصولات کے بہاؤ نے ایرانی ریاست کو ایک محدود تاریخی موقع فراہم کیا ہے کہ وہ ترقی کرے۔ ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیا اس موقع سے فائدہ بھی ... اٹھایا جاتا ہے یا نہیں اگر اٹھایا جاتا ہے تو کس طرح۔

(باقی صفحہ ۳۸ پر)

آخری قسط

بحث

جناب بزنجو کے اصل ارادے کیا ہیں

آئین جماعت اسلامی کے خصوصی استعمال کی شے بن گیا ہے

جوہر میر

سیاست میں منزل کا تعین ضروری ہوتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ترجیحات کی حکمتِ عملی لازمی ہوتی ہے جو اصولوں پر اخلاص کے ساتھ یقین پر مبنی ہوتی ہے۔ سارا فاصلہ ایک جست میں طے نہیں کیا جا سکتا، قدم قدم آگے بڑھنا پڑتا ہے ہمیں واضح طور پر معلوم نہیں جناب بزنجو کے اصل ارادے کیا ہیں کیونکہ جو باتیں وہ "ذاتی حیثیت" میں کر رہے ان کی نشاندہی ان کی جماعت کے منشور میں نہیں ملتی بلکہ اکثر لوگوں کو تو یہ بات ہی سمجھ میں نہیں آتی کہ این ڈی پی کا اصلی سربراہ کون ہے اور بلوچستان کا نمائندہ لیڈر کون ہے۔

یوں لگتا ہے جیسے جناب بزنجو موجودہ سیاسی ضرورتوں اور ترجیحات کو سبوتاژ کرنے کے خواہشمند ہوں اور موجودہ سیاسی بحران کو جو انہیں کبھی نظر آتا ہے کبھی نظر نہیں آتا، ایک ایسے دستوری بحران میں تبدیل کرنے کی راہ پر گامزن ہیں جو فوجی حکومت کے اقتدار کو طوالت دینے کا موجب بنے جو موجودہ معطل مگر متفقہ آئین سے گلوخلاصی کا سبب بنے اور جو ۱۹۷۵ء کے آزادی ہند ایکٹ کے حوالے سے پاکستان کے کالعدم وفاق کو وجود میں لانے کے لئے نئی شرائط کا جواز پیدا کرے۔ کوئی نہیں جانتا اگر اس قسم کا بحران پیدا ہوا تو اس کے "مثبت" نتائج کی نوعیت کی ہوگی۔ یہ خطرہ یا خدشہ بے سبب نہیں ہے، موجودہ آئین کے وجود و عدم کے بارے میں وثوق سے کوئی بات نہیں کی جا سکتی، کوئی نہیں کہہ سکتا آئین کا کون سا پہلو زندہ ہے اور کون سا نیم جاں، یہی بات ہے جس سے جناب بزنجو کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے وہ دیکھتے ہیں جو بات آئین میں حکومت کی ضرورت کے مطابق نہیں ہوتی پارلیمنٹ کے بغیر اس میں ترمیم کر دی جاتی ہے جو بات کسی ایک سیاسی جماعت، جماعتِ اسلامی کے مقاصد کے خلاف ہوتی ہے اسے اصل شکل کے برعکس کر دیا جاتا ہے جیسا کہ جداگانہ طریق انتخابات کے لئے کیا گیا۔ چنانچہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ موجودہ آئین موجودہ حکومت یا حکومت کی پس پشت جماعتِ اسلامی کے خصوصی استعمال کی شے ہے، یہاں اگر بزنجو صاحب نہ بھی ہوتے تو ردِ عمل ضرور ہوتا، اور کوئی بھی آئین تلفی کے اس مظاہرے پر کسی خصوصی رائے کا اظہار کرتا۔ جناب بزنجو کے ارشادات کو ہم دانستہ طور پر منفی نہ سمجھیں تب بھی صورتحال جس قدر مایوس کن کسی مختلف ردِ عمل کی حامل نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی بھی جائز طور پر یہ سمجھنے میں قباحت محسوس نہیں کر سکتا کہ موجودہ حالات نوآبادیاتی دور کی خصوصیات کے حامل ہیں۔

ایک عام انسان کے لئے مایوسی گناہ نہ بھی ہو ایک سیاست دان کے لئے مایوسی گناہِ عظیم ہو سکتی ہے، ہم سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی یہی چاہیں گے۔ کہ جناب بزنجو کوئی ایسی بات یا اصطلاح لے کر سامنے نہ آئیں جس کے بارے میں وہ خود اور ان کی جماعت اپنے منشور کے حوالے سے مطمئن نہ ہو کیونکہ یہ روش خود ان کے لئے بھی اور ان کی جماعت کے لئے بھی کنفیوژن پیدا کر سکتا ہے جو پہلے ہی ڈھیروں کنفیوژن میں دبی ہوئی ہے ایک پاکستانی کی حیثیت سے یا ایک شہری یا طالب علم سے ہم صرف یہ توقع کرتے ہیں کہ جناب بزنجو اب ڈنڈی ماری کا نہ کیا کریں۔ اصطلاحوں کے معجون اور مرکبات کا استعمال ترک کر دیں، وہ صرف وہی کہیں جس کی ضرورت ہو اور جس پر وہ عمل کر کے بھی دکھا سکیں وہ منزل کی طرف پشت کر کے سفر کرنے کی عادت ترک کر دیں اور ملک کی مجموعی ضروریات کے لئے ترجیحات کو پیشِ نظر رکھیں۔ وہ ملک کے فاقہ زدہ عوام کو پلاؤ متنجن کے خواب دکھانے کے بجائے سر دست روکھی سوکھی مہیا کرنے کا بندوبست ہی کرا دیں، تاکہ وہ خودکشی سے بچ سکیں۔ رہا سوال قومیتوں کے تشخص اور ان کے وسائل پر ان کے تصرف کا تو ہم نہیں جانتے جناب بزنجو کے کان میں کس بدبخت نے یہ کہہ دیا ہے کہ ایک وہی نامی گرامی ایسے ہیں جو اس فلسفے کو سمجھتے اور اس پر عمل کرا سکتے ہیں ان کے سوا سب کے سب جاہل، اجڈ اور غدار ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ قومیتوں کے حقوق کا مسئلہ جناب بزنجو کی وکالت کے بغیر بھی لوگ سمجھتے ہیں بلکہ زیادہ بہتر طور سے سمجھتے ہیں۔ بزنجو صاحب ایک اچھے اور مخلص قومیت پرست ہوتے تو وہ سرحد اور بلوچستان کے عوام کو ان کی زبانوں کو سرکاری یا دفتری زبان کا درجہ دلانے کے حق سے محروم رکھ کر سندھی بھٹو کو سندھیوں کی زبان کو سرکاری زبان درجہ دینے کے "جرم" پر گالی دیتے۔

جناب بزنجو کے لئے غور طلب بات یہ نہیں کہ لوگ ان کی اصطلاحوں کو قبول کرتے ہیں یا نہیں، غور طلب بات یہ ہے کہ موجودہ سیاسی نظام پر غیر اسلامی ہونے کا جو فتویٰ باندھا جا رہا ہے وہ کس بات کا پیش خیمہ ہے کوئی نہیں جانتا تاریخی حوالے سے اس اسلامی سیاسی نظام کی شکل و صورت کیا ہوگی جو موجودہ "غیر اسلامی" سیاسی نظام کی جگہ لایا جانے والا ہے اور یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ "نوآبادیاتی نظام" میں قومیتوں کے حقوق کی بات کرنے کی اجازت بھی ہوگی یا نہیں۔

یہ کہہ دینا بظاہر بہت آسان ہے کہ "مجھے کوئی بحران نظر نہیں آتا" یا یہ کہ ملک بذاتِ خود بحران ہے بہ نسبت بحران کا حل تلاش کرنے کے، یا اس کے سیاق و سباق کا تجزیہ کرنے کے، سہل انگاری کے اس رویے سے ہو سکتا ہے بزنجو صاحب کی منزل اور دور ہو جائے۔

انٹرویو کے اگلے حصے میں جناب بزنجو کے استدلال کی نوعیت بالکل مختلف ہے وہ قومیتوں کے حقوق کی بحالی کے لئے قومیتوں کی یکجہتی پر زور دیتے ہیں اور سامراجی طاقتوں اور ان کے ایجنٹوں کی ان ناپاک کوششوں کا حوالہ دیتے ہیں جو وہ یہاں انتشار پیدا کرنے کے لئے بروئے کار لا رہے ہیں۔ جناب بزنجو کہتے ہیں۔ سامراجی ایجنٹ قومیتوں میں انتشار پیدا کر کے موجودہ صورتحال برقرار رکھنے کے خواہشمند ہیں۔ یہی بات دوسرے الفاظ میں یوں کہی جا سکتی ہے کہ جناب بزنجو قومیتوں کے اتحاد اور یکجہتی کو برقرار رکھ کر موجودہ صورتحال کو بدلنے کے خواہشمند ہیں۔ اگر ہمارا اخذ کردہ یہ مفہوم درست ہے تو پھر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ انتشار سے

(باقی صـ۳۴ پر)

خلیل خان خٹک

مفتی محمود جب پالیسی کو آزاد پالیسی کی سند دیتے ہیں

نوائے وقت سے

امریکہ کی حمایت میں اداریہ کس نے لکھوایا

کیا پی آئی اے میں جماعت اسلامی کی بغل بچہ تنظیم "پیاسی" کو طیاروں کی سلامتی کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی ہے؟ کیا "پیاسی" کو ہوائی اڈوں پر فرائض منصبی ادا کرنے والے دوسرے سرکاری اداروں کے اہل کاروں کے خلاف غنڈہ گردی کا کھلا لائسنس ملا ہوا ہے؟ کیا "پیاسی" کے عہدیدار اور کارکن قانون اور ضابطوں کی پابندی سے مبرا ہیں؟

یہ ہیں وہ سوالات جو منگل ۲۳ جنوری کو پشاور ایئرپورٹ پر موجود مسافروں اور انہیں الوداع کہنے کے لئے آنے والے لوگوں کے ذہنوں میں اس وقت پیدا ہوئے جب "پیاسی" کے کارکنوں نے ایک پائلٹ کے سامان کی تلاشی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اچانک ہڑتال کر دی اس طرح کے واقعات اس سے پہلے لاہور اور کراچی کے ہوائی اڈوں پر بھی رونما ہو چکے ہیں لیکن پشاور ایئرپورٹ پر جو واقعہ پیش آیا وہ منفرد نوعیت کا ہونے کے ساتھ ساتھ سیکورٹی کے نظام میں بعض خامیوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے اور ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے فوری اقدامات کا متقاضی بھی ہے۔ کیونکہ فضائی سفر میں کسی قسم کے خطرات مول نہیں لئے جا سکتے

۲۳ جنوری کو پشاور ایئرپورٹ پر پی آئی اے کا فوکر فرینڈشپ طیارہ کابل روانگی کے لئے تیار کھڑا تھا۔ تمام مسافر اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔ کاک پٹ کے عملہ نے بھی اپنی نشستیں سنبھال لی تھیں اور سیڑھیاں ہٹا دی گئی تھیں۔ پائلٹ نے انجن اسٹارٹ کیا۔ انجن کے شور میں ٹرمینل بلڈنگ کے پاس آہنی جنگلوں کے پار کھڑے لوگ مسافروں کو خدا حافظ کہنے لگے۔ یکایک کاک پٹ کی کھڑکی کھلی۔ پی آئی اے کے دو کارکن تیزی سے جہاز کی طرف لپکے اور پائلٹ نے ہاتھ باہر نکال کر ایک بیگ انہیں تھما دیا۔ اس پر سیکورٹی والے فوراً حرکت میں آتے۔ انہوں نے اپنے اطمینان کے لئے بیگ کی تلاشی لینا چاہی لیکن پی آئی اے کے کارکن تلاشی دینے کے بجائے بپھر گئے اور شدید تلخ کلامی اور چھینا جھپٹی شروع ہو گئی

اُدھر پائلٹ جو یہ منظر دیکھ رہا تھا، ٹیک آف کرنے کے بجائے انجن آف کر کے کاک پٹ سے کود کر باہر نکل آیا اور وہ بھی سیکورٹی سٹاف سے الجھ پڑا۔ طیارے کے اندر بیٹھے ہوئے مسافر جن میں متعدد غیر ملکی باشندے بھی شامل تھے اور ٹرمینل بلڈنگ کے قریب کھڑے ہوئے لوگ حیرت و استعجاب کے عالم میں رن وے پر ہونے والا یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

اسی اثنا میں "پیاسی" کے چند عہدیدار وہاں آدھمکے۔ انہوں نے پہلے تو اپنا منصبی فرض ادا کرنے والے سیکورٹی کے عملہ کو گالیوں سے نوازا کہ اس نے ان کے کارکنوں کی تلاشی لینے کی جرأت کیسے کی اور بعد ازاں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق ہڑتال کر دی۔ ہوائی اڈے پر ہنگامی حالت کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ڈسٹرکٹ مینجر پی آئی اے کے دوسرے حکام، ضلعی انتظامیہ اور پولیس کے اعلیٰ افسروں کو بلوایا گیا اور معاملہ کی تحقیقات شروع کر دی گئی۔ اس دوران کابل فلائٹ کے مسافر حیران و پریشان جہاز کے اندر ہی بیٹھے رہے۔ طیارہ بالآخر دو گھنٹے بعد اس وقت روانہ ہوا جب "پیاسی" نے اپنی ہڑتال ختم کر دی۔

اگرچہ بیگ سے کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی اور ان کارکنوں نے تلاشی کو اپنی توہین پر محمول کرتے ہوئے یہ سارا ہنگامہ کھڑا کیا تھا لیکن پی آئی اے سے سفر کرنے والے چاہتے ہیں کہ فضائی سفر کی سلامتی کی خاطر نہ صرف یہ کہ چیکنگ کا نظام اور سخت کیا جائے اور ضابطہ کی کارروائیوں کا اطلاق بلا استثنیٰ سب پر ہو بلکہ عوام کو اس امر سے بھی مطلع کیا جائے کہ چیکنگ میں رکاوٹ ڈالنے والے "پیاسی" کے کارکنوں، ان کی حمایت میں غیر قانونی طور پر ہڑتال کرانے والے پیاسی کے عہدیداروں اور مسافروں کے لئے پریشانی اور ذہنی کوفت کا سبب

سننے والوں کے خلاف پی آئی اے کی انتظامیہ نے کیا کارروائی کی ہے۔

بعض حلقوں کے نزدیک پشاور ایئرپورٹ پر "پیاسیٔ" کے کارکن تلاشی دینے سے خاص طور پر اس لئے کتراتے ہیں کہ وہ کچھ سامان کو اپنا ذاتی سامان قرار دے کر اس کی آڑ میں اسمگلنگ کرتے ہیں اور باڑہ سے غیر ملکی کپڑا اور دوسری اشیا بشمول منشیات خرید کر ملک کے دوسرے حصوں میں بھجواتے ہیں۔ پی آئی اے کی انتظامیہ کو ایسے الزامات کی بھی تحقیقات کرنی چاہیئے تاکہ اس کی لاجواب پروازوں کے ذریعہ اس ناجائز دھندے میں ملوث باکمال لوگ بے نقاب ہو سکیں۔

یادش بخیر! قبلہ مفتی محمود راولپنڈی کی "درگاہ" میں حاضری دینے کے بعد استراحت کے لئے پھر اپنے آبائی گاؤں عبدالخیل (ڈیرہ اسماعیل خان) پہنچ گئے ہیں راستہ میں انہوں نے ٹانک اور کلاچی میں قیام کرتے ہوتے وہاں دینی مدرسوں میں اجتماعات سے خطاب کیا اور انکشاف کرکے لوگوں کو چونکا دیا کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی پوری طرح آزاد ہے۔ گویا مفتی صاحب کی لغت میں مارشل لاء اور پی این اے پر مشتمل حکومت بالکل آزاد خارجہ پالیسی پر عمل کر رہی ہے۔ آزاد خارجہ پالیسی کا ہی تقاضا ہے کہ پاکستان بڑی طاقتوں کی کشمکش میں گرم و سرد جنگ کا اکھاڑہ بنے۔ افغانستان میں ترقی پسند حکومت کے قیام کی مخالفت بھی آزاد خارجہ پالیسی کا تقاضا ہے۔ پھر آزاد خارجہ پالیسی اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ افغانستان کے لٹیروں، اسمگلروں اور سالہا سال سے عوام کا خون چوسنے والے بدنام افراد پر مشتمل نام نہاد جمعیت اسلامی اور حزب اسلامی افغانستان کو پاکستان کی سرزمین پر اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت دے کر اسلام کی "خدمت" کی جائے۔

جنرل ضیاء سے مفتی محمود، نوابزادہ نصراللہ اور میاں طفیل کی ۱۸ جنوری کی ملاقات کے فوراً بعد نوائے وقت سے امریکہ کی حمایت میں اداریہ کس کے اشارے پر لکھوایا گیا؟ پاکستان کے باشعور عوام مفتی جمعیت اور جماعت اسلامی کا سارا کیس بخوبی سمجھتے ہیں اور وہ اس کیس میں کسی کو بھی ملک کے مستقبل کو داؤ پر لگانے کی اجازت نہیں دیں گے۔

●

نصرت بھٹو کا دورۂ بلوچستان

انتظامیہ کی نیندیں حرام ہو گئیں

عنایت اللہ خان

پیپلز پارٹی کے صدر جناب یحییٰ بختیار اپنے کسی نجی کام کے سلسلے میں لاہور چلے گئے تھے لہٰذا محترمہ نصرت بھٹو سابق ایم پی اے اور پارٹی کے سابق نائب صدر ڈاکٹر عبدالمجید جعفر کی رہائش گاہ پر قیام پذیر ہوئیں ہر چند کہ ان کی آمد کی خبر اخبارات میں شائع نہیں ہوئی تھی اس کے باوجود یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پارٹی کے مقامی رہنماؤں اور کارکنوں کے علاوہ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ جوق در جوق انکی قیام گاہ پر پہنچنے لگے تو شہر کی مختلف کالونیوں آبادیوں اور محلوں سے ہزاروں کی تعداد میں نوجوان اور عمر رسیدہ خواتین اور طالبات ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے وہاں جمع ہو گئیں۔

کوئٹہ میں اپنے چار روزہ قیام کے دوران محترمہ نصرت بھٹو نے نوکنڈی، والبندین، نوشکی، قلات، خضدار، کچھی، سبی، ژوب، نصیر آباد، دکی، لورالائی، بارکھان، قلعہ سیف اللہ، مسلم باغ، پشین، چمن، میونہ، کوہلو، مری ایجنسی، مکران، ہرنائی، شاہرگ، زیارت خاران اور صوبہ کے دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے پارٹی کے رہنماؤں کارکنوں اور قبائلیوں کے مختلف وفود سے ملاقاتیں کرکے ملک کی موجودہ سیاسی، سماجی، معاشی اور اقتصادی صورتحال اور پارٹی کے تنظیمی امور اور دیگر متعلقہ معاملات پر تفصیلی گفتگو کی۔ وہ پیپلز پارٹی (شعبہ خواتین) پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن، نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور صوبہ کی دیگر ترقی پسند طالب علم تنظیموں کے عہدیداروں اور کارکنوں، مزدور

دورہ بہت کامیاب رہا

کارکنوں کے حوصلے بلند ہیں

کوئٹہ میں موسم سرما کی پہلی مگر شدید ترین برفباری کے نتیجہ میں جہاں درجہ نقطۂ انجماد سے کئی ڈگری نیچے گر گیا اور متواتر پانچ دنوں تک پی آئی اے کی پروازیں منسوخ رہیں وہاں چھٹے روز یعنی ۱۶ جنوری کو پی آئی اے کا بوئنگ طیارہ برفانی ہواؤں کو چیرتے ہوئے جب ہوائی اڈے پر اترا تو لوگوں کو یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی کہ کراچی سے آنے والے مسافروں میں محترمہ نصرت بھٹو بھی تھیں۔ انہوں نے پرجوش تالیوں اور نعروں سے ان کا استقبال کیا جبکہ بعض لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے "وی" کا نشان بنا کر ان سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ محترمہ نصرت بھٹو نے مسکراتے ہوئے جواباً خود بھی ہاتھ سے "وی" کا نشان بنایا۔

وہ بغیر کسی اطلاع اور پیشگی پروگرام کے اچانک بلوچستان کے دورے پر آئی تھیں۔ اس موقع پر جناب بھٹو کے سینیئر وکیل اور بلوچستان

رہنماؤں اور کسانوں کے نمائندوں سے بھی ملیں۔

انہوں نے پارٹی کے مخلص اور جیالے کارکنوں کی بے لوث قربانیوں اور مخلصانہ جدوجہد کو سراہتے ہوئے کہا کہ کارکن درحقیقت پارٹی کی روح اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اور سیاسی پارٹیاں اپنے نظریاتی کارکنوں ہی کے ذریعے انقلاب برپا کرتی ہیں۔ انہوں نے اس امر پر گہری مسرت ظاہر کی کہ بلوچستان کے انقلابی کارکنوں کی انتھک محنت کی بدولت پیپلز پارٹی کی جڑیں عوام میں نہایت گہری اور مستحکم ہیں۔ کارکنوں نے انہیں یقین دلایا کہ بلوچستان کے محنت کش عوام مکران کے ساحل سے لے کر شیرانی کی پہاڑیوں تک ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند پیپلز پارٹی کے ساتھ ہیں۔

دورے کے آخری روز محترمہ نصرت بھٹو بلوچستان پیپلز پارٹی کے اسیر رہنماؤں مرکزی ایگزیکٹو کمیٹی کے رکن خالد خان ایڈووکیٹ، صوبائی ڈپٹی جنرل سیکرٹری محمد رضا مارشل، صوبائی کمیٹی کے ارکان جمال خان جوگیزئی اور حاجی سیف الدین کیزئی، ضلع کوئٹہ کے صدر حاجی محمد اشرف کاکڑ، نائب صدر ہدایت اللہ پیرزادہ اور ڈاکٹر عبدالکریم لانگو، سیکٹر نمبر ۲ کوئٹہ کے صدر محمد اسماعیل درانی، کوئٹہ چھاؤنی کے جنرل سیکرٹری نور محمد قریشی، جوائنٹ سیکرٹری خورشید احمد کلو، ضلعی آفس سیکرٹری شیخ بشیر احمد، وارڈ کمیٹی نمبر ۷ کے نائب صدر سید حسین نوخالی، کارکنوں محمد اسماعیل ہزارہ، سید طٰہٰ کاظمی، نجف علی بلتستانی، میر احمد بلوچ، ظفر بلوچ اور اسیر طلباء معظم الدین احمد صابر نوید، قمر الدین اور محمد اکرم کے گھروں پر بھی گئیں اور ان کے اہل خاندان کی خیر و عافیت معلوم کی۔ جب وہ پارٹی کے اسیر کارکن سید حسین نوخالی کے گھر نصیر آباد پہنچیں تو وہاں ہزاروں کی تعداد میں ہزارہ قبائل کے مرد، عورتیں اور بچے ان کے لیے چشم براہ تھے۔ محلہ نجاری، مری آباد، مسجد روڈ، کانسی روڈ، شالدرہ، فاطمہ جناح روڈ، کوئٹہ چھاؤنی، پشتون آباد، ریلوے کالونی اور شہر کے دوسرے علاقوں میں بھی ان کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ ممتاز قبائلی رہنما سردار جمشید خان عرف بابائے مزدور نے انہیں بلوچی شال پیش کی جبکہ پیپلز پارٹی وارڈ نمبر ۲ کے کارکن علی جان ہزارہ نے جناب بھٹو کے لئے سونے کا ایک قیمتی قلم اور ایک سنہرا بال پوائنٹ پیش کیا۔

محترمہ نصرت بھٹو کے دورے کو یہاں کے عوامی اور سیاسی حلقے انتہائی اہمیت کا حامل قرار دے رہے ہیں۔ ان حلقوں کے مطابق پیپلز پارٹی کی حکومت کو معزول کر کے سابق وزیراعظم سمیت اس جماعت کے چوٹی کے رہنماؤں سے لے کر چھوٹے درجے کے کارکنوں تک کو جیلوں میں ڈالنے کے نتیجے میں گزشتہ اٹھارہ مہینوں میں دوسری سیاسی جماعتوں کو رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے سنہرے مواقع میسر رہے ہیں اور ان جماعتوں کو ہر قسم کی سہولتیں بھی فراہم رہی ہیں۔ ان کی مدد کے تئے ریڈیو، ٹی وی اور ابلاغ کے دوسرے ذرائع سے جناب بھٹو اور ان کے اہل خاندان کی کردار کشی کا سلسلہ بھی زور و شور سے جاری رہا لیکن اس کے باوجود پیپلز پارٹی کی جڑیں عوام میں مزید گہری اور مضبوط ہوگئیں۔

گزشتہ ڈیڑھ سال کے دوران این ڈی پی کے مزاری، ولی اور بیگم ولی، قومی اتحاد کے سربراہ مفتی محمود، تحریک استقلال کے چیئرمین اصغر خان، جمعیت علمائے پاکستان کے صدر مولانا نورانی، جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد اور سرحد کے "مرد آہن" خان قیوم نے بلوچستان کے متعدد دورے کئے۔ ان دوروں میں انہیں انتظامیہ کا بھرپور تعاون حاصل تھا اور جلسے جلوس اور تشہیر و تبلیغ کی مکمل آزادی تھی لیکن این ڈی پی کے رہنماؤں کے دورے چند سرداروں کے دستر خوان تک محدود رہے اور "ملا کی دوڑ مسجد تک" کے مصداق مفتی محمود کی سیاسی دوڑ دینی مدرسوں اور مسجدوں تک رہی۔ نورانی میاں کی تقریریں بھی محض مساجد میں جانے والے نمازیوں کو سننی پڑیں۔ اسی طرح جماعت اسلامی کے امیر کی تقاریر بلوچستانیوں نے صرف ٹی وی اور ریڈیو پر سنیں اور ان کی تصاویر اخبارات میں دیکھیں خود انہیں گنتی کے چند صالحین کے علاوہ کسی شہری نے نہیں دیکھا۔ اصغر خان کی حالت تو یہ تھی انہیں سامعین تو درکنار اپنی جماعت کی صوبائی ورکنگ کمیٹی کے تئے عہدیدار تک دستیاب نہ ہو سکے جبکہ خان قیوم کے دورے کی پوزیشن یہ تھی کہ سوائے دو چار کانوں کے مالکوں کے کسی کو ان کی آمد اور روانگی کی خبر نہ ہوئی۔

محترمہ نصرت بھٹو کوئٹہ پہنچیں تو صوبہ کی پوری انتظامیہ چوکنا ہوگئی اور تمام خفیہ سرکاری ایجنسیاں حرکت میں آگئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی قیام گاہ پر پولیس کے بے شمار اہلکار اور خفیہ ایجنسیوں کے بیسیوں افراد گاڑیوں، جیپوں، موٹر سائیکلوں اور دیگر ساز و سامان سمیت متعین کر دیئے گئے جو ہر آنے جانے والوں سے پوچھ گچھ کرتے اور وہ جہاں کہیں جاتیں یہ لوگ ایک قافلے کی صورت میں ان کا تعاقب کرتے تھے۔ ●

فیصل آباد میں اخباری کارکنوں کا نمائندہ تاریخی کنونشن

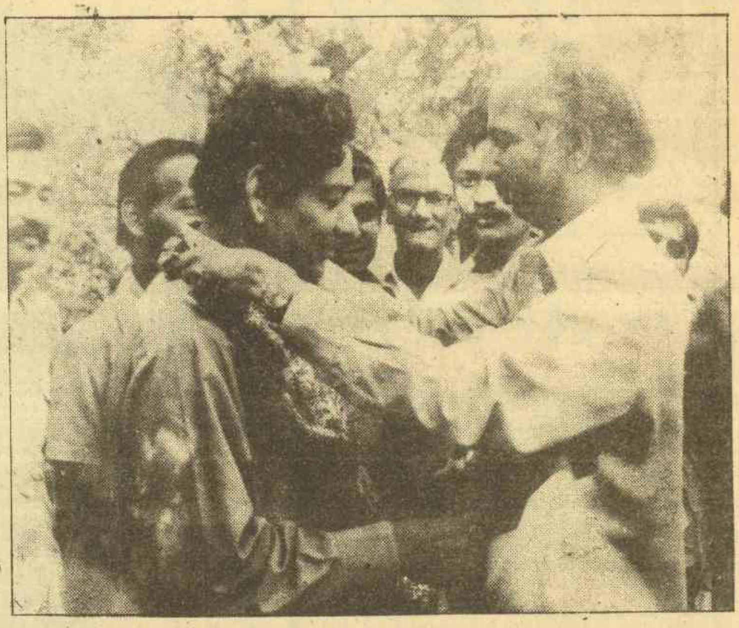

اجرت بورڈ میں نمائندگی کے سوال پر کنونشن نے حکو

چاد کا ٹولہ منہ چھپائے پھر رہا ہے

آل پاکستان نیوز پیپر ایمپلائز کنفیڈریشن (ایپنک) کا سہ روزہ دو سالہ کنونشن فیصل آباد میں ۱۷، ۱۸ اور ۱۹ جنوری ۷۶ء کو منعقد ہوا جس میں ملک بھر کی تقریباً ۳۶ رکن یونینوں کے صدر اور سیکرٹری صاحبان شریک ہوئے۔ ایک طرف اس کی تاریخی کامیابی نے پاکستان کے اخباری کارکنوں کو جدوجہد کی راہ پر آگے بڑھنے کے لئے ایک نئے عزم اور حوصلے سے مسلح کیا تو دوسری طرف اس کے انعقاد کی وجہ سے اخباری کارکنوں اور محنت کشوں کے دشمنوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ ان قسمت کے ماروں نے اپنی خفت مٹانے کے لئے انہی تاریخوں میں جلدی سے ایک متوازی اور نام نہاد علاقائی صحافیوں کے کنونشن کے نام سے ایک متوازی سازشی نشست منعقد کرنے کا اعلان کیا، جو وزیر محنت کش یعنی چوہدری ظہور الٰہی کی سرپرستی کے باوجود فیصل آباد کے عوام کے لئے مسخروں کے تماشے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی جس کا قابل ذکر پہلو صرف قلابازیاں تھیں، ہر نوع کی قلابازیاں۔ وزیر موصوف نے ایک عدد سیاسی تقریر جھاڑی اور وہ

بھی کانسٹیبل مارکہ اور لیں۔ اس لئے اسے چھوڑیئے اور اب ایپنک اور ایپنک کے دو سالہ کنونشن کی طرف آیئے۔

ایپنک اپنی نوعیت کی واحد تنظیم ہے جو ملک کے تمام اخباری کارکنوں کے ہمہ گیر مفادات کی نمائندگی کرتی ہے۔ دنیا کے دوسرے ممالک میں اخباری ملازمین کی شعبہ جاتی تنظیمیں تو موجود ہیں لیکن اس قسم کی تنظیم کا وجود کہیں نہیں ہے جس میں چپراسی سے لے کر ایڈیٹر تک تمام افراد کو رکنیت حاصل ہو۔ اس لحاظ سے ایپنک پاکستان کے اخباری کارکنوں کا قابل فخر سرمایہ ہے جس کے ذریعے انہوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کا سلیقہ سیکھا ہے اور جدوجہد کی تاریخ میں ایک بے مثال باب کا اضافہ کیا ہے۔ گزشتہ بارہ تیرہ مہینوں کے

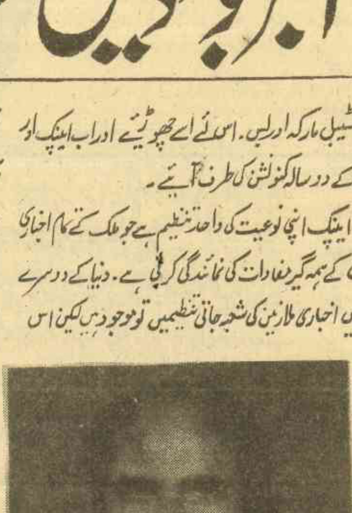

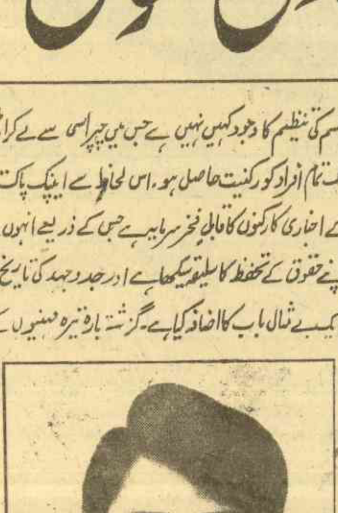

دوران ایپنک کے پرچم تلے ملک بھر
آزادی صحافت اور اقتصادی حقوق کے تح
دی ہیں وہ ایپنک کے فعال اور مؤثر ہو
کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ملک کے تمام
کسانوں، طلباء، وکلاء، ادیبوں اور دانشور
کی تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے
مطالبات کی حمایت میں آواز اٹھائی
بھی حصہ لیا۔

ایپنک کی یہ کامیابی اس لحاظ
کہ اس کا قیام صرف ساڑھے تین سال قبل
سی مدت میں اس نے جس قدر بڑی کام
کے پیش نظر ہم بلا ہچکچاہٹ یہ دعویٰ ک
اخباری کارکن انتہائی باشعور ہیں اور وہ ا
سربلندی کے لئے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے

مت کو ریفرنڈم کا چیلنج دیدیا

بھر کے اخباری کارکنوں نے
کے تحفظ کی جنگ میں جو قربانیاں
ہونے کا بھرپور ثبوت فراہم
ے تمام محنت کش طبقات، مزدوروں
انشوروں کے علاوہ حزب اختلاف
ے پر زور انداز میں اینک کے
جائی اور اس میں عملی طور پر

لحاظ سے اور نمایاں ہو جاتی ہے
ل قبل عمل میں آیا تھا۔ اتنی مختصر
ی کامیابیاں حاصل کی ہیں اس
دعویٰ کر سکتے ہیں کہ پاکستان کے
ور وہ اپنے حقوق اور اصولوں کی
چھے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں اور یہ کہ

مٹھی بھر "انگوٹھا چھاپ" افراد (جو ہر دور میں حکومت وقت کے دربار میں ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں) ان کے عظیم اتحاد کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

اینک کا ابتدائی خاکہ اس وقت سامنے آیا تھا جب دوسرے ویج بورڈ ایوارڈ کا ڈھانچہ تیار ہو رہا تھا اس وقت صحافیوں کی وفاقی تنظیم پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (پی ایف یو جے) نے جو تقریباً تیس سال سے سرگرم عمل ہے، یہ مطالبہ کیا تھا کہ دوسرے شعبوں کے اخباری ملازمین کو بھی ویج بورڈ ایوارڈ دیا جائے۔ پی ایف یو جے کے صدر جناب منہاج برنا اور سیکرٹری جنرل نثار عثمانی کی قیادت میں وفاقی یونین نے واضح طور پر یہ اعلان کیا تھا کہ اگر دوسرے شعبوں کے کارکنوں کو حسب سابق نظر انداز کیا گیا تو صحافی اس کا بائیکاٹ کریں گے۔ اب اجرت بورڈ سب کے لئے بنے گا صرف صحافیوں کے لئے نہیں بنے گا۔ ایک اخبار صحافی اور غیر صحافی کارکنوں سب کی مجموعی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے اور مہنگائی سب کو متاثر کرتی ہے اس لئے اجرت بورڈ سب کے لئے بنایا جائے۔ حکومت کی جانب سے ترغیب و تحریص کے بہت سے ہتھکنڈے استعمال کئے گئے لیکن وہ اپنے مطالبے سے دست بردار نہیں ہوئے۔ نتیجتاً حکومت کو دوسرے ویج بورڈ میں تمام اخباری ملازمین کے لئے مراعات کا اعلان کرنا پڑا۔ اسی کامیابی کے بعد عملی طور پر تمام اخباری کارکنوں کو ایک تنظیم میں مربوط کرنے کے تصور کو تقویت حاصل ہوئی اور بالآخر جنوری ۱۹۷۶ء میں جناب منہاج برنا اور ان کے دوسرے مخلص ساتھیوں کی دن رات محنت کے طفیل آل پاکستان نیوز پیپر ایمپلائز کنفیڈریشن کے ایک سال کی عبوری مدت کے لئے انتخابات عمل میں آئے جس میں جناب منہاج برنا (پاکستان ٹائمز) کو چیئرمین اور جناب نواز اکبر (مشرق) کو سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا اس وقت ملک بھر کی تقریباً تیس یونینیں اس سے منسلک تھیں۔ کنفیڈریشن کا پہلا کنونشن دو سال قبل لاہور میں منعقد ہوا جس میں جناب منہاج برنا چیئرمین اور جناب حفیظ راقب (مساوات لاہور) سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔

فیصل آباد کنونشن

گزشتہ دنوں فیصل آباد میں ۱۷، ۱۸، ۱۹ جنوری کو اینک کا دوسرا دو سالہ کنونشن منعقد ہوا تو اس کی روایات زندہ علامات کے ساتھ ایک بار پھر سامنے آئیں۔ اخباری ملازمین کے منتخب نمائندوں کی بھاری اکثریت نے انتہائی جوش و خروش کے ساتھ کنونشن کی کارروائی میں حصہ لیا۔ اگرچہ اس کنونشن کو ناکام بنانے کے لئے کاسہ لیس ضمیر فروشوں نے فیصل آباد ہی میں "علاقائی اخبارات کا کنونشن" کا ڈرامہ رچایا اور وزارت اطلاعات اور وزارت محنت نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت صرف چار روز قبل چار غداروں کو ویج بورڈ میں نامزد کر دیا لیکن ضمیر فروشی پر اصول پرستی غالب آئی اور چاپلوسی، منافقت اور خود غرضی کے مجسموں کو فیصل آباد کے گھنٹہ گھر کو جانے والے سارے راستوں پر رسوائی کی علامت سمیٹتے دیکھا گیا۔

حسب معمول یہ کنونشن سہ روزہ تھا اور اس میں ملک بھر کی ۳۶ یونینوں کے ۲، منتخب نمائندے (صدر اور سیکرٹری) شریک

آزادی صحافت

کی تحریک مظلوم عوام

کی سیاسی اقتصادی

اور سماجی آزادی کا

ایک اہم حصہ ہے

ہوئے۔ اس کے علاوہ مبصرین کی ایک بہت بڑی تعداد بھی موجود تھی جو ان یونینوں کے دوسرے عہدیداروں پر مشتمل تھی۔ بعض یونینوں کے سرگرم اراکین بھی بطور خاص شرکت کے لئے آئے تھے۔ پہلے روز سب سے پہلے اینک کی سبکدوش ہونے والی قومی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا اس کے بعد اوپن سیشن کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ اوپن سیشن میں جن اہم امور پر غور کیا گیا ان میں ویج بورڈ کا مسئلہ سرفہرست تھا۔ تمام مقررین نے اس امر پر گہری تشویش کا اظہار کیا کہ وزارت اطلاعات اور وزارت محنت نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ملازمین کے حقیقی نمائندوں کو نظر انداز کرتے ہوئے "انگوٹھا چھاپ" خوشامدیوں کو ویج بورڈ میں شامل کیا ہے۔ یہ لوگ جنہیں بڑے دھوم دھڑکے کے ساتھ سرکاری اخبارات میں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر پبلسٹی دی جا رہی ہے دراصل حکومت اور مالکان اخبارات کے نمائندے ہیں اور وہ ملک کے اخباری کارکنوں کی تائید و حمایت سے یکسر محروم ہیں۔ ان میں سے بیشتر دربار سرکار میں رسائی کے طفیل اپنے نجی مفادات کی تکمیل کر رہے ہیں۔ مندوبین نے متفقہ طور پر اس رائے کا اظہار کیا کہ ان غداروں کو غداری کے صلے میں ویج بورڈ کی رکنیت حاصل ہوئی ہے اس لئے اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ گزشتہ پانچ سال کے دوران مہنگائی کی شرح میں جو ہوش ربا اضافہ ہوا ہے اس کے پیش نظر اخباری کارکنوں کی تنخواہیں ناکافی ہیں جبکہ اس مدت میں بیشتر سرکاری اداروں حتیٰ کہ ابلاغ عامہ کے اداروں (ریڈیو۔ ٹی وی) میں بھی تنخواہوں میں کئی بار اضافہ کیا جا چکا ہے اس حقیقت کے پیش نظر ویج بورڈ میں اخباری ملازمین کے ان نمائندوں کو شمولیت کا حق ملنا چاہئے جو بلاخوف

ریفرنڈم کے مطالبہ پر غدار بھاگ نکلے، مولوی فاروقی چپ سادھ گئے

وخطرہ تمام مصلحتوں سے بالاتر ہو کر بھرپور طور پر ان کی وکالت کر سکیں جبکہ حکومت کے نامزد کردہ غداروں میں اتنی صلاحیت ہے نہ دیانتداری کہ وہ عیار مالکان اخبارات کے ہتھکنڈوں کا مقابلہ کر سکیں جو ویج بورڈ میں اپنے خود ساختہ مفادات کے لئے موجود ہوں گے۔

اکثر مقررین نے جناب برنا کی اس تجویز کی تائید کی کہ حکومت کو چیلنج دیا جائے کہ وہ اخبارات اور خبر رساں ایجنسیوں کی تمام سودا کار یونینوں میں ریفرنڈم کرا کے یہ دیکھ لے کہ ملک بھر کے اخباری کارکن ان ضمیر فروشوں کو اپنا نمائندہ تصور کرتے ہیں جنہیں حکومت نے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے یا انہیں جنہیں ایپنک نے نامزد کیا ہے اور جو ان کے صحیح نمائندے ہیں۔

ویج بورڈ کے مسئلے پر تقریباً تمام شریک یونینوں کے نمائندوں نے بحث میں حصہ لیا۔ اس بحث کا نچوڑ یہی تھا کہ چونکہ برادری سے غداری کرنے والوں کو ملک کے اخباری کارکنوں کی ذرا سی بھی تائید حاصل نہیں ہے اس لئے ہم ویج بورڈ کو مسترد کرتے ہیں اور ان کے ذریعے جو ایوارڈ سامنے آئے گا، اس کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے گا۔ ان نمائندوں نے اس نکتے پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا کہ ایپنک کے اس دیرینہ مطالبے کی تکمیل ہونی چاہیئے کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی کے پیش نظر اخباری ملازمین کے مہنگائی الاؤنس میں سال بہ سال اضافہ ہونا چاہیئے، ورنہ ایوارڈ کی مراعات بالکل غیر مؤثر ثابت ہوں گی۔ مزید برآں کرایہ مکان کی شرح میں بھی اضافہ ہونا چاہیئے کیونکہ تقریباً تمام شہروں میں کرایہ مکان کی شرح میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔

علاقائی اور چھوٹے اخبارات میں ویج بورڈ ایوارڈ کے اطلاق کو یقینی بنانے کے سلسلے میں بھی مختلف تجاویز پیش کی گئیں نمائندوں نے اس امر پر گہری تشویش کا اظہار کیا کہ ان اخبارات میں ابھی تک دوسرے ویج بورڈ ایوارڈ کو نافذ نہیں کیا گیا ہے بنا بریں تیسرے ویج بورڈ ایوارڈ کے نفاذ سے پہلے چھوٹے اور علاقائی اخبارات میں دوسرے ایوارڈ کو مارچ کے اختتام تک نافذ کر دیا جانا چاہیئے اور ان کے بقایاجات کی ادائیگی کو یقینی بنایا جانا چاہیئے۔ اس مقصد کے پیش نظر عمل درآمد ٹریبونل کو خصوصی ہدایات جاری کی جائیں۔ مقررین میں منہاج برنا کے علاوہ حفیظ راقب، نثار عثمانی، حافظ نذیر، آئی ایچ راشد، ہمراز احسن، عارف علی شاہ، احمد علی علوی، ریاض ملک، جاوید صدیقی، شمس الاسلام، نور الحق اجمیری، امیر محمد خان، عبدالغنی، موسیٰ طاہر، آئی اے خان، مسعود احمد، ماجد نوز، قیصر بٹ، شہید عباسی، مجید گل، آذر نے بھی خطاب کیا۔

آزادی صحافت

اجلاس میں اخبارات پر بڑھتی ہوئی پابندیوں کا مسئلہ بھی زیر غور آیا۔ اخباری کارکنوں کے منتخب نمائندوں نے اس امر پر گہری تشویش کا اظہار کیا کہ آزادیٔ اظہار کے مسلمہ اصولوں کو انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ پامال کیا جا رہا ہے۔ اخبارات اور چھاپہ خانوں پر پابندیاں جوں کی توں برقرار ہیں اور انہیں خصوصی قوانین اور رسوائے زمانہ پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس کے ذریعے زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔ سرکاری اشتہارات کی تقسیم میں حسب سابق تخصیص برتی جا رہی ہے متعدد اخبارات سنسر کی زد میں ہیں اور بعض ممتاز اخبار نویسوں (حسین نقی، مظہر علی خان) کو خصوصی قوانین کے تحت قید کر دیا گیا ہے۔ اجلاس میں ایپنک کی زیر قیادت آزادی صحافت کی اس جدوجہد کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا جو گزشتہ ایک سال سے زائد عرصے سے جاری ہے اور جس کے لئے ملک بھر کے اخباری کارکنوں نے گراں قدر قربانیاں دی ہیں۔

اس کے علاوہ مختلف دوسرے اہم مقامی اور ملک گیر مسائل بھی زیر غور آئے، اور اس سلسلے میں مختلف تجاویز پر غور کیا گیا۔ ایپنک کے سربراہ جناب منہاج برنا نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ ایپنک اور پی ایف یو جے کی جدوجہد ہمارے دیرینہ مطالبات کے لئے تھی۔ ہم آزادی صحافت اور تحفظ روزگار کے لئے ہر دور میں جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ اس لئے یہ پروپیگنڈہ مضحکہ خیز ہے کہ ایپنک کی جدوجہد کسی سیاسی پارٹی کے اشارے پر شروع کی گئی تھی۔ اس کے برخلاف ضمیر فروش اور غدار پچھلے دور میں بھی حکومت وقت کی کاسہ لیسی کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے سابقہ حکومت کے تشکیل کردہ پریس کمیشن کے ساتھ تعاون کیا جب کہ ہم نے اس کا مکمل بائیکاٹ کیا تھا۔ یہ اس ملک کی روایت بن چکی ہے کہ ہر آنے والے حکمران ہمیں جانے والے حکمران کا ہمدرد گردانتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آزادیٔ صحافت کی تحریک پاکستان کے مظلوم عوام کی سیاسی، اقتصادی اور سماجی آزادی کا ایک اہم حصہ ہے۔ اور ملک کی تمام سیاسی جماعتیں آزادیٔ اظہار کے حق میں ہیں حتیٰ کہ اقتدار میں آنے سے قبل خود پی این اے کا بھی یہی دعویٰ تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے وعدے بھول گئے جب کہ ہم ابھی تک اپنے اصولوں پر قائم ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ دوسرے ویج بورڈ میں ملازمین کے نمائندوں کو نظر انداز کر کے بعض من پسند افراد کو ہم پر مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اور اب پھر اس روایت کو دہرایا جا رہا ہے۔ ہم نے بہت پہلے تیسرے ویج بورڈ کی تشکیل کا مطالبہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ ہم نے مہنگائی الاؤنس اور کرایہ مکان کی شرح میں پچاس فیصد اضافے کا بھی مطالبہ کیا تھا لیکن اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ البتہ اس وقت جب کہ ہم جدوجہد میں مصروف تھے، ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اخباری کارکنوں کی توجہ جدوجہد سے ہٹانے کے لئے ویج بورڈ قائم کرنے کے فیصلے کا اعلان کر دیا گیا۔ ایپنک نے بہت پہلے ویج بورڈ میں نمائندگی کے لئے اپنے پانچ نمائندوں کے ناموں کا اعلان کر دیا تھا لیکن انہیں یکسر نظر انداز کر کے غداروں کو نامزد کر دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ مشکلات عارضی

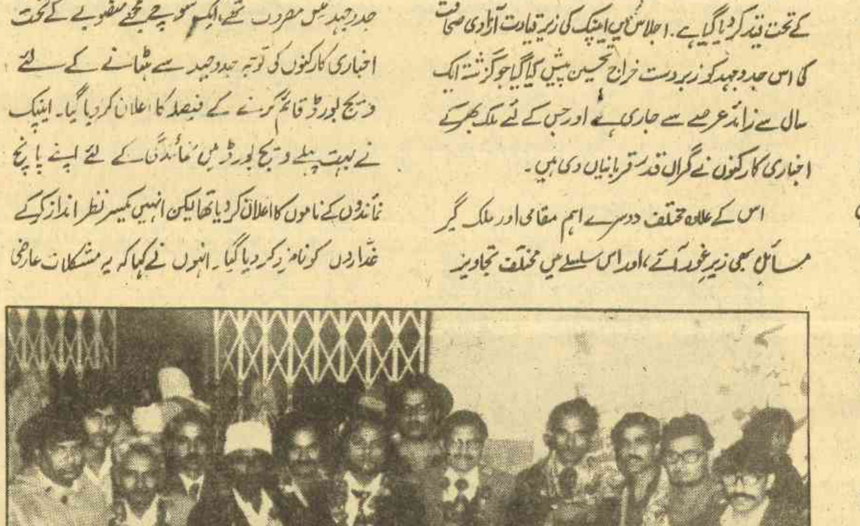

دو سالہ کنونشن کے مندوبین استقبالیہ کمیٹی کے ارکان کے ساتھ

اور وقتی نوعیت کی ہیں اور ہم اپنے اتحاد کی قوت سے ماضی کی طرح اس بار بھی تمام سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔

مندوبین کا اجلاس

اوپن سیشن کے بعد مندوبین کا اجلاس ہوا جس کا چیئرمین پی ایف یو جے کے سیکرٹری جنرل جناب نثار عثمانی کو منتخب کیا گیا۔ اس اجلاس میں مندوبین نے متذکرہ بالا اہم مسائل پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ اور اس سلسلے میں متعدد ٹھوس تجاویز پیش کیں۔ ان تجاویز کو سامنے رکھتے ہوئے چند اہم فیصلے کئے گئے جو بعد میں منظور کی جانے والی قرار دادوں میں بھی شامل ہیں۔

تیسرے روز (۱۹ جنوری) آخری اجلاس میں مندوبین نے متفقہ طور پر متعدد اہم قرار دادیں پیش کیں۔ جنھیں ضروری

مٹھی بھر انگوٹھا چھاپ حکومت کے حضور ہاتھ باندھے کھڑے ہیں

ترامیم و اضافے کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔ سب سے اہم قرار داد ویج بورڈ کے بارے میں تھی۔ قرار داد میں کہا گیا ہے کہ ملک بھر کے اخباری کارکن اس ویج بورڈ کو مسترد کر چکے ہیں جس میں برادری کے غداروں کو شامل کیا گیا ہے۔ جو ہمیشہ اجتماعی مفادات کو نقصان پہنچاتے رہے ہیں۔ اس لئے اس ویج بورڈ کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے گا، اور اس کی کارروائیوں میں اپنک کا کوئی رکن شریک نہیں ہوگا۔ اس صورت میں ویج بورڈ ایوارڈ اخباری ملازمین کے اقتصادی مسائل حل کرنے میں ناکام رہا تو اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔ قرار داد میں حکومت کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر اخباری ملازمین کی نمائندگی کے معاملے میں کسی "شبہے" کی گنجائش ہے تو ملک بھر کی رجسٹرڈ سودا کار اخباری تنظیموں میں ریفرنڈم کرایا جائے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو سکے۔ اگر اس چیلنج کو قبول نہ کیا گیا تو ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ حکومت دھاندلی کے ذریعے، مالکوں کے ایجنٹوں کو بزور اخباری برادری پر مسلط کرنا چاہتی ہے۔ قرار داد میں مطالبہ کیا گیا کہ ویج بورڈ ایوارڈ کے نفاذ سے قبل اخباری کارکنوں کو بنیادی تنخواہ کے پچیس فی صد کے برابر عبوری امداد کا اعلان کیا جائے۔ قرار داد کے ذریعے ملحقہ تنظیموں کو ہدایت کی گئی ہے کہ ۲۶ جنوری سے ۶ فروری تک تمام دفاتر میں احتجاجی جلسے منعقد کئے جائیں جن میں ویج بورڈ میں ملازمین کے حقیقی نمائندوں کی شمولیت پر زور دیا جائے اور جعلی نمائندوں کی شمولیت کے محرکات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جائے۔ ۷ فروری کو ملک گیر یوم احتجاج منایا جائے اس روز ملک بھر کے اخباری مراکز میں مشترکہ جلسے کئے جائیں اور ایک گھنٹے کی احتجاجی ہڑتال کی جائے۔ اس دن کالی پٹیاں بھی باندھی جائیں۔ اس کے علاوہ تمام ملحقہ تنظیمیں متعلقہ وفاقی اور صوبائی محکموں کو تار روانہ کریں جن کے ذریعے ویج بورڈ سے جعلی نمائندوں کو واپس بلانے کا مطالبہ کیا جائے۔ مزید برآں، اپنک کے تمام اراکین کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے اپنے شعبوں کی اجرتوں کے بارے میں تجاویز روانہ کریں جو ۱۵ فروری تک سیکرٹری جنرل اپنک جناب حفیظ راقب (معرفت دفتر مساوات لاہور) کو موصول ہو جانی چاہئیں تاکہ اپنک اپنے طور پر ایوارڈ کا ایک قابل قبول اور منصفانہ ڈھانچہ تیار کر سکے۔

دوسری قرار داد میں جو آزادیٔ صحافت کے بارے میں تھی اخباری کارکنوں کی گذشتہ جدوجہد کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا۔ قرار داد میں اس امر پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا کہ اخبارات اور چھاپے خانوں پر پابندیاں اب تک برقرار ہیں۔ متعدد اخبارات و رسائل خصوصی سیاہ قوانین کے تحت بند کئے جا چکے ہیں۔ متعدد اخبارات اور رسائل پر سنسر نافذ ہے۔ اخبار نویسوں پر خصوصی سیاہ قوانین کے تحت مقدمات قائم کئے جا رہے ہیں، اور سرکاری اشتہارات کی تقسیم میں بلیک میلنگ کا طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے قرار داد میں مطالبہ کیا گیا کہ تمام خصوصی قوانین منسوخ کئے جائیں اور اخبار نویسوں کے خلاف عام عدالتوں میں عام قوانین کے تحت مقدمات قائم کرنے کا طریقہ رائج کیا جائے۔

تیسری اہم قرار داد علاقائی اور چھوٹے اخبارات کے بارے میں تھی جن میں ملازمین کا اقتصادی استحصال عروج پر ہے۔ قرار داد میں کہا گیا ہے کہ علاقائی اور چھوٹے اخبارات کے ملازمین کی حالت انتہائی افسوسناک ہے۔ اور وہ فاقہ کشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ قرار داد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ چھوٹے اور علاقائی اخبارات ویج بورڈ ایوارڈ کے اطلاق کو یقینی بنایا جائے اور اس سلسلے میں عملدرآمد ٹریبونل کی کارکردگی کو بہتر بنانے پر خصوصی توجہ دی جائے۔

نوائے وقت ملتان، نوائے وقت لاہور کے کارکنوں کے خلاف انتقامی کارروائیوں، اور جاوید پریس کراچی، ملت پریس کراچی۔ امروز ملتان اور دوسرے اداروں میں سوشل سیکورٹی اسکیم کے خلاف بھی متفقہ طور پر قرار دادیں منظور کی گئیں۔ ایک اور قرار داد میں جناب حشمت وفا، جناب زہیر صدیقی اور جناب حافظ اسلام کی ناگہانی اموات کے بارے میں قرار داد تعزیت منظور کی گئی۔ اجلاس میں متعدد دوسری قرار دادیں بھی متفقہ طور پر منظور کی گئیں۔

کنونشن کے اختتام سے قبل چیئرمین جناب نثار عثمانی نے مندوبین کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنک کی ہمہ گیر آزادیٔ صحافت اور اقتصادی حقوق کے تحفظ کی جدوجہد کو خراج تحسین

یہ کون صاحب ہیں؟

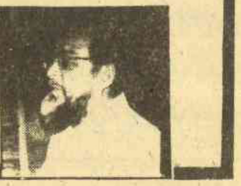

ایک رئیس صاحب ہیں۔ بسم الحق عثمانی، موصوف کراچی کے خوشنویس حضرات کے لیڈر ہونے کے دعویدار ہیں لیکن موصوف نے عالم صحافی خوشنویس یونین کے گزشتہ چھ سال سے انتخابات نہیں کرائے، کراچی اپنک کی تیرہ رکن تنظیمیں پہلے ہی انہیں اخباری کارکنوں کے مفادات سے غداری کے سلسلے میں کراچی اپنک کی چیئرمینی سے برطرف کر چکی ہیں۔ اب یہ حضرت بزعم خود پورے پاکستان کی اپنک کے چیئرمین بن بیٹھے ہیں۔ ایک زمانے میں جماعت اسلامی کے کٹر دشمن تھے۔ اب دولت اور اقتدار کی طمع میں جبار اور مولوی محمود اعظم فاروقی کی بیساکھیوں کے سہارے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن۔

ع اے لبا آرزو کہ خاک شدہ

یقین جانیے یہ ایک بار پھر معافی مانگ کر اپنک میں دوبارہ شامل ہونے کی کوشش کریں گے لیکن اخباری کارکنو ہوشیار رہو — مزید دھوکا نہ کھانا۔

وزارتِ اطلاعات اور محنت نے ایک سازش کے تحت چار غداروں کو ویج بورڈ میں نامزد کیا ہے

پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے پاس اتفاق کی قوت ہے. اور اس قوت کے ذریعے ہم ہمیشہ کامیابی حاصل کرتے رہیں گے

جناب نثار عثمانی نے چیئرمین الیکشن کمیٹی کی جانب سے انتخابات کے نتائج کا اعلان کیا۔ جس کے مطابق مندرجہ ذیل افراد آئندہ دو سال کے لئے ایپنک کے عہدیدار منتخب ہوئے ہیں۔

چیئرمین جناب منہاج برنا (پی ایف یو جے) سینئر وائس چیئرمین جناب احمد علی علوی (جنگ ایمپلائز یونین کراچی) وائس چیئرمین جناب آئی ایچ راشد (پی پی ایل ورکرز یونین لاہور) وائس چیئرمین جناب عارف علی شاہ (پی پی ایل ورکرز یونین راولپنڈی) سیکریٹری جنرل حفیظ راقب (مساوات ورکرز یونین لاہور) سینئر اسسٹنٹ سیکریٹری جنرل جناب امیر محمد خان (سن ورکرز یونین کراچی) اسسٹنٹ جنرل سیکریٹری جناب مسعود احمد (جنگ ایمپلائز یونین کوئٹہ) اسسٹنٹ سیکریٹری جنرل جناب شمس الاسلام ناز (فیصل آباد ایمپلائز یونین) (نامزد) خزانچی جناب ندیم انبالوی (پنجاب یونین آف جرنلسٹس)

اراکینِ قومی مجلسِ عاملہ

(۱)۔ جناب نثار عثمانی (پی ایف یو جے) ۲۔ جناب حفاظ الرحمٰن (کے یو جے) ۳۔ جناب ولی محمد واجد (ایم یو جے) ۴۔ جناب ظفر اقبال (عامل صحافی خوش نویس یونین لاہور) (نامزد) ۵۔ جناب نور الحق اجمیری (عامل صحافی خوش نویس یونین پشاور) ۶۔ جناب اسلم زاہد (عامل صحافی خوش نویس یونین ملتان) ۷۔ جناب محمود علی اسد (جنگ ایمپلائز یونین کراچی) ۸۔ جناب عبدالغنی (جاوید پریس ورکرز یونین کراچی) ۹۔ جناب عرس ملاح (ہلال پاکستان ورکرز یونین کراچی) ۱۰۔ جناب خورشید انور (مساوات ایمپلائز یونین کراچی) ۱۱۔ جناب ہمراز احسن (پی پی ایل ورکرز یونین لاہور) ۱۲۔ جناب عبدالروف (پی پی ایل ورکرز یونین راولپنڈی) ۱۳۔ جناب مجید گل (بہاولپور یونین آف جرنلسٹس) (نامزد) ۱۴۔ جناب سلیم قریشی (حیدرآباد یونین آف جرنلسٹس) (نامزد)

جناب نثار عثمانی کی تقریر کے بعد کنونشن اختتام پذیر ہوا۔ اس کے بعد جناب منہاج برنا کی صدارت میں نو منتخب قومی مجلسِ عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں آئندہ لائحہ عمل پر غور کیا گیا اور چند اہم فیصلے کئے گئے۔

کنونشن کے انعقاد میں میزبان تنظیم فیصل آباد ایمپلائز یونین کے نوجوان کارکنوں نے جس جذبے کے ساتھ انتھک محنت کی اس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے. وہ ہر لحاظ سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ بلاشبہ کنونشن کی عظیم کامیابی میں ان

یہ روایت بن گئی ہے کہ ہر آنے والا حکمران ہمیں جانے والے حکمران کا آلۂ کار گردانتا ہے

کا بڑا حصہ ہے.

دوسری طرف چند مٹھی بھر غداروں کا کنونشن بری طرح ناکام رہا۔ اس میں ملحقہ تنظیموں کی نمائندگی بالکل نہیں ہوتی ادھر اُدھر سے پکڑ کر چند افراد کو جمع کر لیا۔ باہم دست و گریباں ہوئے اور اپنا سا منہ لے کر فیصل آباد سے واپس ہوئے اس سلسلے ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ضمیر فروش افراد نے جو کنونشن منعقد کیا اسے "علاقائی" اخبارات کا کنونشن کا نام دیا گیا تھا لیکن اس میں انہوں نے انتخابات بھی کروا ڈالے۔ کسی انتخابی شیڈول تک کا اعلان کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی۔ بے شک ہے نقل کے لئے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے پھر جن افراد کو منتخب قرار دیا گیا ان میں سے بیشتر ایسے تھے جو یا تو اپنی تنظیموں کے عام اراکین تھے. یا کاغذی تنظیموں کے عہدیدار تھے. غرض لیپا پوتی کے "لوازمات" کا خیال بھی نہ رکھا گیا۔

اس کے برعکس ایپنک کے کنونشن میں ملک بھر کے اخباری کارکنوں کی بھاری اکثریت نے حصہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کنونشن عزم اور اتحاد کے انمٹ جذبوں کی ترجمانی کرتا تھا۔ اور ایک بار پھر اس حقیقت کی تائید ہو گئی کہ فتح ہمیشہ اصول پرستوں کی ہوتی ہے، کامرانی ان کا مقدر ہوتی ہے جو لڑنے کا حوصلہ رکھتے ہیں

فیصل آباد کنونشن میں جن ملحقہ تنظیموں کے صدور اور سیکریٹریوں نے شرکت کی، ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ جنگ ایمپلائز یونین کراچی ۲۔ مساوات ایمپلائز یونین کراچی ۳۔ ہلالِ پاکستان ایمپلائز یونین کراچی ۴۔ امن ایمپلائز یونین کراچی ۵۔ مشرق ایمپلائز یونین کراچی ۶۔ سن ایمپلائز یونین کراچی ۷۔ اے پی پی ایمپلائز یونین کراچی ۸۔ صداقت ایمپلائز یونین کراچی ۹۔ جاوید پریس ایمپلائز یونین کراچی ۱۰۔ نصرت ایمپلائز یونین کراچی ۱۱۔ سلطان البنیان ٹرسٹ پریس ایمپلائز یونین کراچی ۱۲۔ کراچی یونین آف جرنلسٹس کراچی ۱۳۔ جنگ ایمپلائز یونین کوئٹہ ۱۴۔ زمانہ ایمپلائز یونین کوئٹہ ۱۵۔ مشرق ایمپلائز یونین کوئٹہ ۱۶۔ بلوچستان یونین آف جرنلسٹس کوئٹہ ۱۷۔ حیدرآباد یونین آف جرنلسٹس حیدرآباد ۱۸۔ بہاولپور یونین آف جرنلسٹس بہاولپور۔ ۱۹۔ نوائے وقت ایمپلائز یونین ملتان ۲۰۔ عامل صحافی خوشنویس یونین ملتان ۲۱۔ ملتان یونین آف جرنلسٹس۔ ملتان ۲۲۔ فیصل آباد نیوز پیپر ایمپلائز یونین فیصل آباد ۲۳۔ فیصل آباد یونین آف جرنلسٹس فیصل آباد ۲۴۔ پی پی ایل ورکرز یونین راولپنڈی ۲۵۔ راولپنڈی یونین آف جرنلسٹس راولپنڈی ۲۶۔ اے پی پی ایمپلائز یونین راولپنڈی ۲۷۔ عامل صحافی خوشنویس یونین پشاور ۲۸۔ مشرق ایمپلائز یونین پشاور ۲۹۔ پی ایف یو جے ۳۰۔ مساوات ایمپلائز یونین لاہور ۳۱۔ پی پی ایل ورکرز یونین لاہور ۳۲۔ پنجاب یونین آف جرنلسٹس لاہور ۳۳۔ عامل صحافی خوشنویس یونین لاہور ۳۴۔ مغربی پاکستان ورکرز یونین لاہور ۳۵۔ نوائے وقت ایمپلائز یونین لاہور ۳۶۔ سن ورکرز یونین لاہور۔

ایپنک کے اس دو سالہ کنونشن کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اسے فیصل آباد کے محنت کش عوام کی مکمل حمایت تائید حاصل تھی۔ اس کی کامیابی کے لئے متعدد مزدور یونینوں نے مکمل تعاون کیا اس کے علاوہ فیصل آباد کی ڈسٹرکٹ بار کونسل کے صدر اور ارکان نے ایپنک کے چیئرمین جناب منہاج برنا کو خصوصی طور پر بار کونسل میں مدعو کیا کہ وہ وہاں جا کر آزادیٔ صحافت کے موضوع پر اظہارِ خیال کریں۔ وکلاء کی جانب سے ایپنک کے مندوبین کے اعزاز میں ایک استقبالیہ بھی ترتیب دیا گیا۔ ■

ہم اپنے اتحاد کی قوت سے ماضی کی طرح اس بار بھی سرخرو ہوں گے — !

موجودہ صورتِ حال نہ ماضی میں مفید ثابت ہوئی اور نہ اب ہوگی

بادشاہ سلامت کو چاہیے "وہ اپنی حکومت کو زیادہ فراخدل اور غریب پرور بنائیں"

ظفر قریشی

ارسطو سست رفتار ارتقائی تبدیلی کو ترقی کی بہترین راہ قرار دیتا تھا۔ طریقہ کار کے اعتبار سے تمام نظام ہائے حکومت کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پہ پہنچا تھا کہ بادشاہت کی کمزوری یہ ہے کہ بادشاہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں اور برسرِ اقتدار طبقے کی کمزوری یہ ہے کہ وہ اختیارات کو اپنے خود غرضانہ مقاصد کے تحت استعمال کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ جمہوریت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عوام کی بھرپور نمائندگی ہوتی ہے۔ ارسطو کی نظر میں جمہوریت کی خامیاں بھی تھیں اور وہ یہ کہتا تھا کہ محض تعداد کی بناء پر حکومت کے اختیارات بھی غلط طور پہ استعمال ہو سکتے ہیں اس لئے بہتر ہوگا کہ درمیان کا راستہ اختیار کیا جائے۔ مکمل جمہوریت ہو جس میں دانشمند کو حکومت کے لئے منتخب کیا جائے۔

(اقتباس از کتاب سو عظیم مفکر، جے ای گرین)

آج ہم دو ہزار برس بلکہ اس سے بھی قبل کے چین کے ایک فلسفی مینگ نیے (مینگ کو) کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ وہ کیا سوچتا تھا، کیا کہتا تھا اور کیوں کہتا تھا اور اس کے برعکس اس کے زمانے کے بادشاہ اس سے کیا کہلوانا چاہتے تھے۔ وہ کامیاب ہوا یا اس کے زمانے کے بادشاہ سرخرو ہوتے۔ تاریخ میں اس کے زمانے کے بادشاہوں کا نام چونکہ مینگ نیے کے حوالے سے ہی آتا ہے اس لئے یہی سمجھ لیجئے کہ اپنے تمام کروفر اور جاہ و جلال کے باوجود، بادشاہ اپنا نام نہ چھوڑ سکے جبکہ انہی کے جاہ و حشمت کے دور کا ایک ادنیٰ فلسفی آج تک زندہ ہے۔

سرکاری اہلکاروں، کلرکوں، کاسہ لیسوں اور خوشامدیوں سے پچھلی حکومت کی نام نہاد بدعنوانیوں پر قرطاس ابیض لکھوانا اس صورت میں بہت آسان ہو جاتا ہے۔ جب متعلقہ فریق کو جواب دینے کی اجازت نہ ہو۔ انصاف کے کن اصولوں اور اسلام کے کن ضوابط کے تحت ایسا ہو رہا ہے اس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے اور نہ کی جائے گی کیونکہ ہمارے ہاں یہ روایت ہے کہ ہر آنے والی حکومت جانے والے گروہ پہ پارسائی کی خندق سے کیچڑ کا گولہ بارود برساتی رہی ہے۔ ہماری نوکر شاہی بھی اب اس طریقہ کار کی عادی ہو چکی ہے اور عوام بھی۔ چنانچہ نوکر شاہی جہاں قرطاس ابیض لکھوا لکھوا کر چھپواتی رہتی ہے۔ وہیں عوام اس کے مندرجات ایک کان سے سن سن کر دوسرے کان سے اڑاتے رہتے ہیں۔ تاہم، منتخب حکومتوں اور غیر نمائندہ حکومتوں کے وائٹ پیپرز میں ایک بنیادی فرق ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ منتخب حکومتوں کی پشت پر رائے عامہ کا غالب حصہ ہوتا ہے اس لئے ان کی مبالغہ آمیزی بھی گوارا کرلی جاتی ہے جبکہ غیر نمائندہ حکومتیں چونکہ ایک سیاسی خلاء میں کام کرتی ہیں اس لئے ان کے ہر اقدام اور ہر فیصلے کو رائے عامہ کی اکثریت شک و شبہہ کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ مثال کے طور پہ پچھلی منتخب حکومت کی کارگزاری پہ اگر نظر ڈال جائے تو اس کے بیشتر اقدامات پر، خواہ وہ وقت کی ضرورت کے مطابق کئے گئے ہوں یا نہیں، اسی نمائندہ اکثریت کی مہر تصدیق ثبت نظر آتی ہے۔ اب کوئی غیر نمائندہ حکومت، گزشتہ منتخب حکومت پر خواہ کتنے ہی الزامات لگائے ان کی قانونی اور آئینی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی تاریخ انہیں قابل غور سمجھے گی۔ رہا تاریخ کا سوال تو مورخین محض یہ دیکھیں گے کہ منتخب حکومت نے اگر وقت کی ضرورت کے تحت چند فیصلے کئے تھے تو ان کا پس منظر کیا تھا۔ یہ فیصلے کیوں ضروری سمجھے گئے اور ان پر عملدرآمد میں کیا خامیاں تھیں۔ القصہ مختصر، ہندوستان میں اگر جنتا پارٹی کی منتخب حکومت اندرا گاندھی کی کانگریس کی سابق منتخب حکومت کی کارکردگی پر وائٹ پیپر شائع کرتی ہے تو ایسا وائٹ پیپر اس وائٹ پیپر کے مقابلے میں زیادہ معتبر سمجھا جائے گا جو ہمارے ہاں ایک منتخب حکومت کی جگہ آنے والی غیر نمائندہ حکومت نے شائع کیا ہے۔ بستیا کے اس بنیادی اصول کو جانتے ہوئے بھی اگر کوئی، کسی کو بدنام کرنے کی سعئ لاحاصل میں مصروف رہے تو اس کے بارے میں دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ اے اللہ اسے عقل دے۔ رہا دھاندلیوں، اقربا پروری اور مالی بدعنوانیوں کے الزامات کا مسئلہ تو جناب ایک بار پھر عرض ہے کہ نمائندہ سیاسی حکومت اگر بالفرض محال ان تمام بدعنوانیوں میں بھی ملوث ہوتی ہے۔ تب بھی ان دھاندلیوں کا فائدہ نیچے تک، یعنی عوام کے نچلے طبقوں تک پہنچتا ہے اور ایسی سیاسی حکومت کے حق میں اتنے بالواسطہ طریقے سے رائے عامہ ہموار کرتا ہے کہ کوئی غیر نمائندہ حکومت نہ تو اتنے فائدے پہنچانے کا تصور کر سکتی ہے اور نہ ہی اہلیت رکھتی ہے اور اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ کوئی غیر نمائندہ حکومت پارسائی کے غیر انسانی درجے تک پہنچ گئی ہے۔ تب بھی وہ عوام کے نچلے طبقوں کو قومی وسائل سے استفادہ کی سہولت بہم نہیں پہنچا سکتی۔ ایسی حکومت کے دور میں مخصوص مراعات یافتہ طبقے پھلتے پھولتے ہیں اور عوام کا کاروبار حکومت میں چونکہ عمل دخل باقی نہیں رہتا اس لئے وہ قومی معاملات اور مسائل میں دلچسپی لینا چھوڑ دیتے ہیں جس کے نتیجے میں سیاسی خلاء پیدا ہوتا ہے جو خطرناک سیاسی عدم استحکام کو جنم دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سیاسی عدم استحکام ہمارے "رازق" امریکہ کے حق میں مفید ہو لیکن قومی نقطۂ نظر سے ایسی صورتحال نہ ماضی میں کبھی مفید ثابت ہوئی ہے اور نہ اب ہوگی۔

بہرحال بات ہو رہی تھی ۲۸۹ قبل مسیح کے چینی فلسفی

مینگ زے کی تو محترم المقام قارئین کرام، یہ حضرت چین کے طاقتور صوبے لیانگ میں رہتے تھے۔ اس صوبے کا بادشاہ ہوئی' چاؤ خاندان کی کمزور حکومت کا خاتمہ کر کے پورے چین پر اپنی حکومت مسلط کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا اس نے اس ضمن میں متعدد کوششیں بھی کیں لیکن ہر مرتبہ ناکام رہا۔ بالآخر جب لوگ بار بار کی بے مقصد جنگوں سے عاجز آگئے اور کھلم کھلا اپنے بادشاہ پر تنقید کرنے لگے تو اس نے گھبرا کر مینگ زے کو طلب کیا جو کنفیوشس کے بعد چین کا عقلمند ترین آدمی سمجھا جاتا تھا۔ شاہ 'ہوئی' کا خیال تھا کہ مینگ زے جیسا دانشور اسے یقیناً چند گر بتائے گا جن پر عمل کر کے اس کی فوجیں کامیابی کے جھنڈے گاڑ سکیں اور عوام کا حوصلہ بھی بلند ہو۔ چنانچہ 'ہوئی' کے حکم پر دربار میں پیش کئے جانے سے قبل مینگ زے پر شاہی عنایات کی بارش کر دی گئی۔ دربار میں مینگ زے کے حاضر ہونے کے بعد بادشاہ نے اپنے درباریوں، وزیروں امیروں اور فوجی جرنیلوں کے سامنے اپنا مدعا بیان کیا اور اس کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

قدرے توقف کے بعد مینگ زے نے کہا "بادشاہ سلامت کو چاہیئے کہ وہ اپنی حکومت کو زیادہ فراخدل اور غریب پرور بنائیں ٹیکس اور فوج پر کئے جانے والے اخراجات کم کریں۔ ایسے حالات پیدا کریں کہ لوگ کاشتکاری کی طرف توجہ دیں۔ ان میں باہمی خلوص اور برادرانہ ہم آہنگی پیدا ہو۔ ان اقدامات کے بعد ہی بادشاہ سلامت کی رعیت اپنی لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے دشمن فوج کے دھار دار ہتھیاروں کا کامیابی سے مقابلہ کر سکے گی"۔

اگر یہ جواب مینگ زے کے علاوہ کوئی اور شخص دیتا تو بادشاہ اس کی کھال کھنچوا لیتا۔ بادشاہِ وقت کا مضحکہ اڑانے کے الزام میں اسے پابندِ سلاسل کر دیتا لیکن یہ باتیں مینگ زے نے کہی تھیں جو پورے چین میں محترم تھا بہر کیف بادشاہ سلامت اور اس کے درباری مینگ زے کو آداب بجا لاتے ہوئے دربار سے واپس جاتے دیکھتے رہے۔ کسی نے اس کی موجودگی میں کچھ نہ کہا۔ تاہم اس کے جانے کے بعد فوج کے سب سے بڑے جرنیل نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔ "عوام لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے دشمن کی تلواروں اور تیروں کا مقابلہ کریں گے۔ ہونہہ!"

دراصل شاہ ہوئی نے مینگ زے سے آج کے مسئلے کا حل دریافت کیا تھا اور مینگ زے نے جو جواب دیا تھا، اس کا دارومدار آنے والی کل پر تھا اور اسی لئے یہ جواب نہ اس کی اور نہ اس کے درباریوں کی سمجھ میں آیا۔ اس کے بعد ہوا یہ کہ شاہ ہوئی نے جب بھی مینگ زے کو اسی مسئلے کے حل کے لئے دربار میں طلب کیا، اس کا یہی ایک جواب تھا۔ کنفیوشس کو مرے ایک سو برس ہو چکے تھے اور چین جو کسی زمانے میں ایک متحد اور پر امن ملک تھا (۴۷۹ قبل مسیح) اب خانہ جنگی کے دہانے پر کھڑا تھا۔ مینگ زے نے جو کنفیوشس کی تعلیمات کا پرستار تھا، ایسے کئی شاگرد پیدا کئے تھے جن کا کام مختلف صوبوں کے بادشاہوں کو اچھی اور فلاحی حکومت کے گر بتانا تھا۔

مینگ زے شاہ ہوئی کے دربار سے دو برس تک وابستہ رہا (۳۲۰ قبل مسیح سے ۳۱۸ قبل مسیح تک) اور اس بات کی کوشش کرتا رہا کہ شاہ ہوئی کے درباری جنگ کا خیال ترک کر دیں، عوام پر ظلم و تشدد بند کریں اور بدعنوانی کا قلع قمع کریں لیکن اس کی کوششوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ کیونکہ شاہ ہوئی کا خیال تھا کہ مینگ زے کے اصول نہ تو قابلِ عمل ہیں اور نہ فائدہ مند۔ مایوس اور دل شکستہ مینگ زے شاہ ہوئی کے دربار سے نکل کر شاہ چی اور شاہ لو کے درباروں سے یکے بعد دیگرے وابستہ ہوا، لیکن ان دونوں درباروں میں بھی فوری فائدے کی باتیں کی جاتی تھیں۔ عدم دلچسپی کا یہ عالم دیکھ کر وہ ۶۱ برس کی عمر میں ریٹائر ہو گیا اور اپنی زندگی کے بقیہ ۲۰ برس شاگردوں کو تعلیم دینے اور کنفیوشس کے خیالات کی وضاحتوں پر مبنی ایک کتاب مرتب کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اپنی تصنیف "مینگ زے کی کتاب" میں مینگ زے لکھتا ہے۔

"حکومت کا ادارہ اللہ کی امانت ہے اور حاکم کو اللہ کو جوابدہ ہوتا ہے تاہم یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ دانشمندی اور انصاف سے کاروبارِ حکومت انجام دے۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک ملک کے عوام درجے میں حاکم سے زیادہ بلند ہوتے ہیں۔ اگر حاکم دانشمندی سے حکومت نہ کرے تو عوام کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اسے تخت سے دستبردار کر دیں۔ جب کوئی شخص لوگوں کو طاقت سے زیر کرتا ہے تو وہ اس لئے زیر ہو جاتے ہیں کہ وہ کمزور ہیں، لیکن اگر کوئی شخص لوگوں کو اپنی اچھائیوں سے زیر کرتا ہے تو وہ دل سے اس کے مطیع اور فرمانبردار ہو جاتے ہیں یہ کامیابی زیادہ دیرپا ہوتی ہے"۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جس زمانے میں مینگ زے فلاحی حکومت کا تصور دے رہا تھا اور اچھائیوں اور نیکیوں کے ذریعے فتوحات کی تبلیغ کر رہا تھا عین اسی زمانے میں اسکندر اعظم، طاقت کے بل پر دنیا کو فتح کرنے کے لئے مقدونیہ سے نکلا تھا۔ مینگ زے کے دور کے تقریباً دو ہزار برس کے بعد، مغربی دنیا میں بادشاہت کے آسمانی حق کو چیلنج کیا گیا اور طامس پین اور جان لاک جیسے مغربی فلسفیوں نے اس ادارے پر کڑی تنقید کی۔

مینگ زے کے دور میں اور آج کے دور میں دو ہزار برس سے زائد کا فاصلہ ہے، مگر سوچنے والے دماغ یہ بھی سوچتے ہیں کیا ہم آج بھی ذہنی طور پر اتنے ہی پیچھے ہیں جتنا دو ہزار برس قبل کا انسانی ذہن تھا؟ اگر یہ بات نہیں تو پھر ہمارے آج کے حالات میں اور دو ہزار برس قبل کے حالات میں اتنی مماثلت کیوں نظر آتی ہے؟

محمود شام
تازہ اردو اور پنجابی نظموں کا مجموعہ
نوشتۂ دیوار
ایسی طویل اور مختصر نظمیں جو کہیں شائع ہو سکیں اور نہ سنائی جا سکیں
صرف وہی آرڈر قابلِ تعمیل ہوں گے۔ جن کے ساتھ مطلوبہ تعداد کی قیمت ڈرافٹ یا منی آرڈر کے ذریعے پیشگی بھیجی جائے گی۔
کتاب فروش حضرات ۳۳٪ کے حساب سے
خوبصورت کتابت، خوبصورت طباعت
سفید کاغذ، مضبوط جلد
قیمت: ۲۰ روپے
نیشنل فورم
پوسٹ بکس ۳۱۹۶
کراچی ۲۹

ذخموں کی ٹیس سے آنکھیں بند ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

حیدرآباد
مختار عاقل

سرکاری ملازم نہ ہوتا تو ٹکٹکی پر بندھا ہوا نظر آتا

بیداروں کو لاٹھیوں کی جگہ بندوقیں دے دی گئی ہیں

حیدرآباد انتظامیہ ان دنوں بڑے "دھماکے" سے دھما چوکڑی کرتی پھر رہی ہے۔ کبھی سرکل بلڈنگ میں اسپرٹ کی بوتل پھٹوا کر بم کے دھماکہ کے الزام میں اسی بلڈنگ میں گذر سفر کرنے والے یونائیٹڈ ورکرز فیڈریشن کے قموس گل خٹک کو بھی پکڑ کر داخل در زنداں کر دیتی ہے۔ حالانکہ اسی ایک بلڈنگ میں این۔ایل۔ایف، روزنامہ "جسارت" اور جماعت اسلامی کی بغل بچہ جمعیت کے دفاتر بھی واقع ہیں، خصوصاً "جسارت" تو جائے دھماکہ سے بالکل نزدیک تر ہے۔ بعض اطلاعات کے بموجب دھماکہ سے کچھ دیر قبل این۔ایل۔ایف کا ایک نامی گرامی "پہلوان" اس جگہ دیکھا بھی جاتا ہے مگر پولیس ان تمام ٹھوس وجوہات اور شہادتوں کے باوجود "حلقہ یاراں" کی طرف مائل بہ کرم نہیں ہوتی۔ شاعر نے سچ ہی کہا ہے کہ ؂

شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

سو شاہیں سلاخوں کے پیچھے اور کرگس جیسی فضا کو ہی "آزاد" سمجھ کر اکڑتے پھر رہے ہیں۔ نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کی نائب صدر بیگم نسیم ولی خان نے گذشتہ دنوں بہاول پور میں اخباری نمائندوں کے سوال وجواب کے درمیان فرمایا تھا کہ "پیپلز پارٹی کے دور میں بدترین آمریت قائم تھی اور موجودہ حکومت بہتر ہے، اس نے تقریر اور اظہار رائے کی آزادی دے رکھی ہے جو بھٹو کے دور میں حاصل نہ تھی"۔ بیگم صاحبہ کا نقطۂ نظر ایک لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ زاغوں اور کرگسوں کے لئے واقعی بہت "آزادی" ہے۔ ٹی وی اور ریڈیو پر آکر قوم سے "خطاب" بھی کر سکتے ہیں اور ملک بھر میں دہشت گردی کا بازار گرم کرنے اور مخالفین کو "ٹھکانے" لگانے کے لئے جہاں چاہیں "بم کے" "دھماکے" بھی کرا سکتے ہیں مگر شاہین اسی "جرم" میں حسین نقی بن کر سلاخوں کے پیچھے قید و بند کی صعوبتوں سے گزر رہے ہیں امن، صداقت، مساوات اور نجات ایک مرتبہ پھر سنسر شپ کی زد میں ہیں اور سندھ کے سینکڑوں طلبۂ شیریں سومرو کیس کے مجرم کو "مجرم" کہنے کے "جرم" میں پس دیوار زنداں سختیاں بھگت رہے ہیں۔ اور اس طرح اظہار رائے کے "مجرموں" کا "نیک بندوں" کی "پاکیزہ" اور "انصاف پسند" حکومت نے اس والہانہ انداز میں سواگت کیا ہے کہ اہالیان پاکستان اور خصوصاً حیدرآباد حیران و پریشان ہیں ظلم کی اسی "تازہ داستان" کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ این۔ایس۔ایف کے گرفتار رہنماؤں کو گذشتہ دنوں ہتھکڑیاں لگا کر سڑکوں پر گھماتے ہوئے مارشل لا سمری کورٹ میں پیش کیا گیا تھا جہاں درخواست کرنے پر طالب علم رہنما توحید خان کو بی۔اے کے امتحان میں شرکت کا اجازت نامہ مل گیا تھا، مگر پولیس نے اس اجازت نامے کی دھجیاں بکھیر کر جماعت اسلامی کے دفتر سے جاری ہونے والے حکم نامے کی لاج رکھی اور اس طرح اس طالب علم کا ایک قیمتی تعلیمی سال جماعت اور انتظامیہ کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ادھر باوثوق ذرائع کے مطابق ان طلبہ کو بند رکھنے کے لئے کوئی جواز نہ پاکر اسی دفتر سے جاری ہونے والی ہدایت کے بموجب متعلقہ پولیس کے "شاہ پرست" افسران سرکل بلڈنگ میں ہونے والے دھماکہ میں انہیں بھی ملوث کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دانا کہہ گئے ہیں کہ "جب نیتوں میں فتور ہو، زبانی کلام اور دلائل کی جگہ مخالفین کو ٹھکانے لگانے کے اوچھے ہتھکنڈے ہی باقی رہ گئے ہوں، مجرمانہ ذہنیت روشِ انسانیت پر غالب آنے لگے تو پھر برسر اقتدار گروہوں سے نیکی اور انصاف پسندی کی توقع فضول ہوتی ہے"۔

اردو کی ایک کہاوت کے مطابق بلی جب کھسیاتی ہے تو کھمبا نوچنے لگتی ہے اور رجعت پسند بلیاں ان دنوں اسی عمل سے گزر رہی ہیں۔ ایسی حالت میں ہفت روزہ "مستقبل" کی اس اطلاع پر یقین کرنا ہی پڑتا ہے کہ ملک بھر سے ترقی پسند کارکنوں کو گرفتار کرانے کے لئے ان کے گھروں سے "خلاف قانون" لٹریچر از خود گمنام ذرائع سے پہنچا کر "برآمد" کرایا جائے گا اور اس طرح "رنگے ہاتھوں" گرفتار کرنے کا "اعزاز" حاصل کیا جائے گا۔ "مستقبل" کی اس اطلاع کے بعد ملک کے طول و عرض میں ہونے والے بم کے دھماکوں کے پیچھے بھی انہی شیطانی عزائم کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ جماعت اسلامی کراچی کے امیر نے یہ بیان دے کر شک کی دیواریں اور بھی پختہ کر دی ہیں کہ "شر پسند اسلامی شریعت کے نفاذ اور عام انتخابات کی راہ میں روڑے اٹکانے کے لئے اپنے تجربات مستحکم کر رہے ہیں"۔ اس ضمن میں یاران طریقت اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ انتخابات میں روڑے اٹکانا کس کے لئے مفید اور کس کے لئے غیر مفید ثابت ہوگا! اگر رائے عامہ کا خوف لاحق نہیں ہوتا تو گذشتہ سال نام نہاد احتسابی عمل کے نام پر ۱۸ اکتوبر کی تاریخ ہاتھ جوڑ کر منسوخ نہ کرائی جاتی اور چور دروازے سے وزارتیں حاصل کرنے کی بجائے رائے عامہ کا احترام کیا جاتا۔ ہر دور میں محدود اقلیت پر مشتمل حکمران ٹولہ اسی قسم کے اوچھے ہتھکنڈوں کے ذریعہ جمہوریت کا آملیٹ تیار کر کے ہڑپ کرتا رہا ہے۔ "الشمس" اور "البدر" جیسی فاشسٹ تنظیموں کے تجربات مستحکم کرنے والے محب وطن عوام نہیں بلکہ مٹھی بھر سامراجی اور استحصالی دلال ہیں۔ "شر پسند" وطن سے محبت کرنے والے نہیں بلکہ مشرقی پاکستان کو اسی قسم کے دھماکوں سے اڑانے والے گھس بیٹھیے ہیں۔ امیر صاحب نے "دھماکوں" پر جس "تشویش" کا اظہار کیا ہے، اس سے ریاستی انتظامی مشینری تو مخصوص مفادات اور مصلحتوں کی عینک

خواتین یونیورسٹی کے قیام کا فیصلہ منسوخ کیا جائے

این۔ ایس۔ ایف۔ پاکستان

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان صوبہ پنجاب کی مجلس عاملہ کا اجلاس پچھلے دنوں ملتان میں مرکزی صدر حبیب اللہ شاکر کی زیرِ صدارت ہوا جس میں صوبہ بھر سے کارکنوں نے شرکت کی۔ اجلاس میں تنظیمی مشکلات اور مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے پروگرام مرتب کیا گیا۔ اجلاس کے دوسرے سیشن میں صوبہ بھر سے آئے ہوئے طلباء نے ملکی اور بین الاقوامی صورتحال پر غور کیا۔ اجلاس سے طارق نیازی عارف علوی، شیخ یوسف، سلیم ہمدانی، عزیز الرحمان، راشد مجاز اعجاز لدڑ، رانا عمر دراز، وسیم باری، ناصر احمد، رانا صفدر، ذوالفقار بٹ، شیخ افضال اور این ایس ایف پاکستان کے مرکزی صدر حبیب اللہ شاکر نے خطاب کیا۔ مقررین نے اس امر پر بھی تشویش کا اظہار کیا کہ آج ملک تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے ملک کی معاشی حالت تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔ مہنگائی، بیروزگاری اور جہالت نے عوام پر زندگی کا حلقہ تنگ کر دیا ہے لوگوں کو کوڑوں جیسی غلامانہ دور کی سزائیں دی جا رہی ہیں۔ ملک کی تمام نام نہاد عوام دشمن سیاسی جماعتیں اور ان کی دم چھلا تنظیمیں اس پر خاموش ہیں۔ اس وقت این ایس ایف ہی ملک کی واحد تنظیم ہے جو اس ملک کے محنت کش عوام کی جدوجہد میں شریک ہو کر ملک میں بنیادی جمہوری حقوق کی بحالی کے لئے مصروف عمل ہے۔ اجلاس کے آخر میں مجلس عاملہ نے متعدد قراردادیں متفقہ طور پر منظور کیں۔ ایک قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ خواتین یونیورسٹی کے قیام کے فیصلے کو فی الفور منسوخ کیا جائے۔ پریس پر سے سنسر شپ کی پابندی ختم کی جائے۔ الفتح اور معیار کے ڈیکلریشن بحال کئے جائیں ایک اور قرارداد میں کہا گیا ہے سیاسی کارکنوں کو کوڑوں جیسی غلامانہ دور کی سزائیں دینے کا سلسلہ ختم کیا جائے۔ تمام گرفتار شدہ طلباء مزدور دل کسانوں اور سیاسی کارکنوں کو غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے۔ سندھ کے تعلیمی ادارے فوراً کھولے جائیں۔ مجلس عاملہ نے ایک اور قرارداد میں ایران کے عوام کی شہنشاہیت اور سامراجیت کے خلاف جدوجہد پر شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا۔

آنکھوں پر چڑھاتے "اندھیرے میں رہ سکتی ہے، مگر عوام نے ۳۲ سال کے عرصہ میں اتنے زخم کھائے ہیں کہ ان کی ٹیسوں سے آنکھیں بند ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ذہنوں کی "پراگندگی" کے ستائے ہوئے عوام کی طرح شہر کی سڑکیں، محلے اور کوچے بھی بڑھتی ہوئی گندگی اور اثر و رسوخ کے ذریعہ تعمیر کی جانے والی ناجائز تجاوزات پر فریاد کناں ہیں۔ شہر کی معروف شاہراہوں پر گائیں اور بھینسیں یوں دندناتی پھرتی ہیں جیسے کبھی قومی اتحاد کے رہنما دندناتے تھے اور اب وہ تو عوام کے خوف سے چھپ گئے ہیں اور لگائے بھینسیں میدان میں رہ گئی ہیں۔ یوں بلدیہ حیدر آباد کا ٹھیکہ جب سے ایک ریٹائرڈ کرنل نے اٹھایا ہے، صحت و صفائی کا کام بھی "ریٹائرڈ" ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں بلدیہ کی سستی اور نا اہلی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے، کہ میونسپل کارپوریشن سے فقط دس قدم کے فاصلے پر کچرے کا ڈپو آئے دن سڑک پر ابل کر راہگیروں سے گلے مل لیتا ہے اور بے چاروں سے ایمان کا نصف جزو پورا کرنے کا حق بھی چھین لیتا ہے۔ لوگ اس صورتِ حال پر پیچ و تاب کھاتے ہیں۔ اپنے ٹیکسوں کی دہائی دیتے ہیں، بلدیہ کو "اسلامی" ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔ مگر کیا مجال جو کارپردازانِ بلدیہ کے کانوں پر جوں ہی رینگ جائے اس سلسلے میں وارڈ جی / کے علاقے پھلیلی، پریٹ آباد، عثمان آباد اور ٹنڈو تھوڑو وغیرہ تو خاصے ناشائستہ حالات سے گزر رہے ہیں مگر شہر کا مرکزی علاقہ گاڑی کھاتہ تک گندگی کی دستبرد سے محفوظ نہیں ہے۔ ناجائز تجاوزات کے سلسلے میں بلدیہ کے ایڈمنسٹریٹر بذاتِ خود گذشتہ دنوں ایک پریس کانفرنس کے ذریعہ اس حقیقت کا اعتراف کر چکے ہیں کہ "حیدر آباد میں بدنام افراد اور سماج دشمن عناصر ناجائز طور پر اراضی پر قبضہ کر کے غیر قانونی تعمیرات کر رہے ہیں۔ مگر بلدیہ اور پولیس ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کرتی اور بلدیہ کا عملہ ناجائز قبضوں میں ملوث ہوتا ہے"۔ اس سلسلے میں راقم الحروف نے گذشتہ دنوں جماعت اسلامی سے منسلک بلدیاتی افسران کے "کارناموں" کا ذکر کیا تھا اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ ناجائز تعمیرات کے سلسلے میں ایڈمنسٹریٹر موصوف نے شہر کی جن دو شخصیتوں کا پریس کانفرنس میں ذکر کیا تھا، ان میں سے ایک حال ہی میں جماعت اسلامی کا "متفق" بنا ہے اور دوسرا گذشتہ "نظام مصطفےٰ تحریک" کے دوران اسی جماعت کے ایک "سرکردہ لیڈر" کے ہاتھوں "مشرف بہ اسلام" ہوا تھا۔

ان حادثات اور واقعات کے علاوہ حیدر آباد کی فضائیں ان دنوں کسی نئے آنے والے "خطرے" کے پیشِ نظر کان کھڑے کئے بالکل "اٹینشن" نظر آتی ہیں۔ اہم شاہراہوں اور تنصیبات پر چوکس نگاہوں کا جال سا بچھا ہوا نظر آتا ہے اس سلسلے میں خاص بات یہ ہے کہ چھوٹے بڑے بچاؤ بندوں اور نہروں کی دیکھ بھال پر متعین بیلداروں کو لاٹھیوں کی جگہ بندوقیں تھما دی گئی ہیں۔ سیاسی حلقے اس کی توجیہہ یہ پیش کر رہے ہیں کہ یہ تمام تیاریاں سابق وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی سپریم کورٹ میں اپیل پر کسی نزدیکی فیصلے کے سلسلے میں حفظِ ماتقدم کے طور پر کی جا رہی ہیں۔ اس ضمن میں یہ افواہ بھی گرم ہے کہ بھٹو صاحب شاید آئندہ ایام میں حیدر آباد سنٹرل جیل منتقل کر دیئے جائیں۔ اس افواہ میں کسی حد تک صداقت کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ مذکورہ جیل کی اس تاریخی بیرک کی صفائی اور مرمت کا کام بڑی تیزی سے ہو رہا ہے جس میں اس سے قبل معروف سیاسی شخصیتیں پیر صبغت اللہ پیر پگارا کے والد، ریٹائرڈ میجر جنرل اکبر خان، ولی خان اور غوث بخش بزنجو وغیرہ بھی اسیر رہ چکے ہیں۔

شہر کی اس ہنگامی صورتِ حال میں بھی ینگ رائٹرز گلڈ اپنا فرض نہیں بھولی اور حیدر آباد اسٹوڈنٹس کونسل کے تعاون سے اردو کے معروف اور مایہ ناز افسانہ نگار سعادت حسن منٹو کی یاد میں ۱۸ر جنوری کی شام ایک مقامی ہوٹل میں "شام منٹو" کے نام سے سر پھرے قلم کاروں اور فنکاروں کو جمع کر ہی لیا۔ ہماری اطلاعات کے مطابق اس انسان دوست فنکار کی یاد تازہ کرنے کے لئے ملک بھر میں یہ واحد تقریب ہی اس دن ہو سکی تھی اور اس طرح تھوک کے بھاؤ سے نکلنے والے رسائل اور ڈائجسٹوں کے مالکوں کے لئے نفع اور اشاعت بڑھانے کا سبب بننے والا یہ افسانہ نگار بھی سرمایہ پرستی اور خود غرضی کی دیواروں کے پیچھے جا چھپا۔ ہماری ادبی تاریخ کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ حیدر آباد میں منائی جانے والی اس یادگار "شام" میں صحافت کے مدیر معاون الیاس شاکر، واجد علی تبسم، صداقت علی انصاری، محمد علی

شہر کے بارونق علاقے گاڑی کھاتہ پر جانوروں کا قبضہ.

حیدرآباد کی بلدیہ "صفائی نصف ایمان" پر حرف بحرف عمل کر رہی ہے۔

عادل، عالم انصاری اور سید انیس شاہ نے منٹو کے فن، اس کی شخصیت اور اثرات پر علمی اور تنقیدی مقالے پڑھے اور نظمیں پیش کی گئیں۔

ضلع بدین گنے کی پیداوار کے لئے مشہور ہے، اس کی اس امتیازی خصوصیت کی بنا پر ہی یہ تجویز بھی حکومت کے زیرِ غور ہے کہ اس سے ملحقہ علاقوں سمیت اسے شکر پیدا کرنے کا مرکزی علاقہ قرار دے دیا جائے مگر خام گنے کو صاف شفاف شکر کے دانوں تک پہنچانے والے ہاتھ بدستور تنگدستی کا شکار ہیں اسی علاقے میں واقع فوجی شوگر ملز، جو کھوسکی میں واقع ہے، گذشتہ دنوں مزدوروں کے احتجاج کا مرکز رہی، تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ مذکورہ کارخانے کا سیکیورٹی افسر مزدوروں کو ناجائز طور پر دباتے اور حقوق کی طلبی پر انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنانے کا موجب بن رہا تھا۔ سیکیورٹی افسر کی ان معاندانہ کارروائیوں کے خلاف جب یونین کی طرف سے گیٹ میٹنگ کرنے کی کوشش کی گئی تو مذکورہ افسر نے باہر سے مسلح غنڈوں کا ایک پورا دستہ بلوا لیا لیکن جھگڑا بڑھ کر کسی بڑے واقعہ کی سرخی نہ بن سکا۔ دن میں اس واقعہ کے بعد جب شام کو پولیس نے پہنچ کر جنرل مینیجر کے آفس پر لگے ہوئے سیاہ پرچم کو اتارنے کی کوشش کی تو مزدوروں نے سخت احتجاج کیا اور پولیس کے خلاف نعرے لگائے۔ اس سے قبل پولیس لعہڑی سیمنٹ فیکٹری میں پُرتشدد مداخلت کر کے وہاں کے امن کو تہہ و بالا کر چکی ہے اور اب فوجی شوگر ملز کا نمبر ہے اور بدستور کارخانے کے گیٹ پر براجمان ہے ان حالات کو دیکھ کر لوا محسوس ہوتا ہے کارخانوں کو کسی ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت

کارروائیوں کے تحت بند کرنے اور مزدوروں کو بے روزگار کرنے پر تلی ہوئی ہے تاکہ سرمایہ داروں کو اپنی مقرر کردہ قیمت پر محنت کشوں کی قوتِ محنت خریدنے کا اختیار حاصل ہو۔ کے یہاں شکر کے کارخانوں سے متعلق ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ سرمایہ دار ۵ روپے فی من گنا خرید کر اس سے اوسطاً ساڑھے نو سیر شکر تیار کرنے یعنی ۵ روپے کو تقریباً ۸۰ روپے کی مالیت میں بدلنے کے باوجود مزدوروں کو جائز اور مروجہ قوانین کے تحت حاصل مراعات دینے میں بھی ہمیشہ حیل و حجت سے کام لیتے ہیں اور سندھ میں شکر کا ہر کارخانہ فوجی شوگر ملز کھوسکی کا نقشہ پیش کرتا ہے

تعلقہ ہالا ان دنوں گرماگرم خبروں کی پیدائش گاہ بنا ہوا ہے سرکاری سرپرستی میں خرکاری چلنے کی خبر بھی اس علاقے سے متعلق ایک المیہ ہے۔ تفصیلات کے مطابق نیو سعید آباد کے قریب ایس۔ ایم۔ بند پر واقع بیگار کیمپ پر کچھ عرصہ قبل پولیس نے چھاپہ مار کر ۲۸ بچوں کو بازیافت کیا تھا مگر پھر اسلام کے اثر ورسوخ نے ان بچوں کو واپس بیگار کیمپ میں ہی پہنچا دیا۔ اسلام، اس بیگار کیمپ کے ٹھیکیدار کا نام ہے۔ لیکن اخبارات میں اس واقعہ کا ذکر آ جانے کے بعد مدتوں سے اپنے پیاروں کے دیدار کے پیاسے والدین کیمپ کے چکر کاٹ رہے ہیں، جنہیں خرکاروں کی طرف سے چار، چھ بچوں کی رونمائی کرا کے ٹرخا دیا جاتا ہے۔ بیسویں صدی اور اسلام کی دعویدار حکومت میں یہ انسانیت سوز فعل اور بچوں کی محنت کا بری طرح استحصال کھلے عام جاری ہے اور ستم ظریفی یہ کہ ان "معصوم مزدوروں" کو محنت کا انتہائی قلیل معاوضہ دیا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ز[illegible] گھنٹے کام کرایا جاتا ہے

پاکستان نے بھی اس سلسلے میں بڑے گرماگرم پروگرام ترتیب دیئے ہیں، ریڈیو اور ٹی وی پر بچوں کی شان میں قصیدے گائے جا رہے ہیں لیکن کیا مستقبل کے معماروں میں جبری مشقت پر مجبور بیگار کیمپوں میں زندگی بسر کرنے والے یہ "معصوم مزدور" بھی شامل ہیں؟

اسی تعلقہ کا ایک علاقہ ٹنڈو سعید خان کے نام سے موسوم ہے۔ ان دنوں یہاں کے بے روزگار ہاریوں کا مطالبہ یہ ہے کہ کاٹھڑی جنگل کی چوکڑی کا ٹھیکہ ان بے روزگاروں کو دینا عین حق و انصاف پر مبنی ہے مگر افسر شاہی یہاں بھی اپنی روایتی خصلتوں کو نبھاتے ہوئے بے انصافی اور اقرباپروری کی راہ اپنائے ہوئے ہے اور مذکورہ قطعہ اراضی ضلع دادو کے ایک شخص غلام مرتضیٰ شاہ کے نام کر دیا گیا ہے جو یوں تو اس علاقے سے سینکڑوں میل دور کی نسبت رکھتا ہے مگر اس علاقے کے ایک بااثر زمیندار اور ڈسٹرکٹ فورسٹ آفیسر سے بڑی گہری اور قریبی نسبت کا حامل ہے چنانچہ اصل حقداروں کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے رسمِ اقرباپروری کے تحت اراضی کا ٹھیکہ حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر چکا ہے۔ اس صورتِ حال سے مقامی ہاریوں میں سخت غم و غصہ پایا جاتا ہے، جو اس صریحاً بے انصافی کے خلاف کسی بھی ردِ عمل کا باعث بن سکتا ہے۔

اور یہ بھی اسی تعلقہ کا ایک گرماگرم واقعہ ہے کہ اس "اسلامی دور" میں بھی ہالا کا بازارِ حسن بدستور دعوتِ نظارہ دے رہا ہے جب کہ حیدرآباد کا بازارِ حسن "سیل" لگنے کے بعد کسی اداس بیوہ کی طرح سر جھکائے سوچ میں غرق ہے کہ "اسلامی نظام" کی زد میں فقط میرا ہی نام کیوں آیا ہے، ہالا کے اس "بازار" میں عام تماشبینوں اور [illegible]

گذشتہ دنوں ہالا تھانے کا ہیڈ محرر اور ایک عدد ہیڈ کانسٹیبل بھی گشت مارتے ہوتے ایک کوٹھے پر تماشبینی کی غرض سے جا پہنچے اور فقط یہی نہیں بلکہ شباب کی ہمرکاب شراب کا جام بھی نوش جاں فرمایا ہوا تھا۔ اتفاق سے ڈی ایس۔ پی ہالا بھی گشت کرتے جا پہنچے۔ ان کی نگاہ جو اپنے سے کم تر ان دو گناہگاروں پر پڑی تو جھٹ رپورٹ لکھ بھیجی اور دونوں سرکاری عہدیداروں کو پہلی سیڑھی یعنی کانسٹیبلی پر لے جا کر لائن حاضر کرا دیا۔ ہماری دانست میں دونوں متعلقہ حضرات کو شکر ادا کرنا چاہیئے کہ جان بچ گئی اور شراب نوشی اور تماشبینی کی سزا فقط درجہ کم ہونے تک ہی آ کر رک گئی، اگر سرکاری ایجنسی سے غیر متعلق کوئی بغیر وردی والا بھی دونوں جرم بیک مشت انجام دیتا تو ٹکٹکی پر بندھا ہوا نظر آتا۔

❁❁

اہم محکموں پر قابض تھے عملاً صوبے میں سیاہ و سفید کے مالک تھے اور وزیر اعلیٰ بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ سریاب روڈ کے اس بدنام زمانہ بنگلے کو کون نہیں جانتا۔ جہاں پی ایس او والے سردار صاحب کو ساتھ لے گئے اور موصوف وزیر تعلیم کو رنگ رلیاں مناتے رنگے ہاتھوں پکڑوا کر مطالبہ کیا کہ ان کو وزارت تعلیم سے برطرف کیا جائے لیکن وزیر اعلیٰ اس معاملے میں بلکہ ہر معاملے میں بے بس کر دیئے گئے تھے کہ ان کو کراچی میں عزلت نشینی اختیار کرنا پڑی۔ کہتے ہیں کہ اس طویل غیر حاضری کے دوران وزیر تعلیم نے سردار صاحب کو فون کر کے معلوم کرنا چاہا کہ کب تک واپسی کا ارادہ ہے تو موصوف نے جواب دیا کہ "جب تک آپ اس کرسی پر مسلط ہیں، میرا واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے"۔

۱۹۷۳ء میں سنٹرل انٹیلی جنس کے ایک اہلکار نے تبلایا کہ ہم جانتے ہیں بم کے دھماکے کون کرواتا ہے لیکن ہماری رپورٹیں راستے میں روک لی جاتی ہیں اور مرکز کو صحیح حالات سے قصداً بے خبر رکھا جاتا ہے۔ فوج کی داستان بھی مرحوم خیر محمد بانیزئی کی زبان سے سن لیجئے جو ان دنوں لسبیلہ میں ڈپٹی کمشنر متعین تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ سردار صاحب مینگل قبائل کے خلاف جاموٹ قبیلے کی ہنگامہ آرائی سے سخت مشتعل ہو کر ان کی سرکوبی کے لئے آ رہے ہیں۔ میں نے انہیں راستے میں ہی جا لیا اور ان سے درخواست کی کہ آپ اس وقت مینگل کے سردار نہیں بلکہ پورے صوبے کے وزیر اعلیٰ ہیں اس لیے آپ کو ذاتی طور پر اس معاملے میں دست اندازی نہ کرنا چاہیئے میں خود مناسب کارروائی کر کے حالات ٹھیک کر لوں گا چنانچہ مقام واردات پر پہنچا، حالات کا جائزہ لیا۔ دونوں طرف سے بات چیت کے بعد سمجھوتہ کروا دیا اور صدر مقام روانہ ہو گیا۔ راستہ میں ایک مقام پر میرا راستہ فوجیوں نے روکا میں نے ان کو بتایا کہ میں لسبیلہ کا ڈپٹی کمشنر ہوں اور جاموٹ مینگل قبائل میں سمجھوتہ کروا کر آ رہا ہوں وہ مجھے کرنل صاحب کے پاس لے گئے جنہوں نے حالات سن کر بتایا کہ ٹھیک ہے ڈی سی صاحب! آپ تشریف لے جا سکتے ہیں اب فوج آ گئی ہے اور ہم خود تمام معاملات سنبھال لیں گے۔ یہ ہے فوج کو اس آگ میں جھونکنے کا قصہ۔ مرکز کا اصرار تھا کہ فوج صوبائی حکومت نے خود درخواست دے کر طلب کی ہے جبکہ صوبائی گورنر اسے صوبائی معاملات میں صریح مداخلت قرار دیتے رہے۔ صاف ظاہر ہے کہ دونوں بیانات میں تضاد کی وجہ یہ تھی کہ انتظامیہ کے کرتا دھرتا نے گورنر سے بالا بالا ہی فوج طلب کر لی تھی اور یہ سمجھنا بھی مشکل نہیں کہ وہ پولیس رہی اور پنجاب سے انہیں مہندی اور چوڑیاں بھیجی گئیں۔ ان کو

عطاء اللہ مینگل

وہ نہیں جو آپ کہتے ہیں

فرح پیرزادہ ۔ راولپنڈی

تازہ شمارے میں جناب بالاچ گوریج نے ایک بلوچ رہنما کی جنرل رحیم الدین سے ملاقات اور مبینہ یقین دہانیوں کا ذکر فرمایا ہے نیز "سیاسی حوالوں" سے یہ طنز بھی کی ہے کہ سردار عطاء اللہ مینگل بحیثیت وزیر اعلیٰ بلوچستان وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات اس لئے نہیں کرتے تھے کہ "کہاں ایک عظیم بلوچ سردار اور کہاں ایک معمولی سندھی وڈیرہ"۔ ہمیں تعجب ہے کہ بلوچ ہوتے ہوئے بالاچ صاحب نے سیاسی حلقوں کی اس من گھڑت تاویل کو قبول کر لیا۔ گو سردار صاحب خود تردید کی زحمت نہیں فرمائیں گے لیکن اس ایک جملے سے ان "سیاسی حلقوں" کی وہ تمام ریشہ دوانیاں طشت از بام ہو جاتی ہیں جو گزشتہ بیس سال سے اس خطے میں ہر سطح پر تفریق انتشار کے بیج بوتے چلے آئے ہیں اور جن کے چہروں سے ہمدردی اور خیر خواہی کے منافقانہ نقاب نوچے بغیر بلوچ سیاست کو دلدل سے نکالنا ممکن نہیں ہے۔

اول تو سردار صاحب کو جاننے والے خاص و عام اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ عظیم بلوچ سردار ہونے کے باوجود موصوف کا طرز ... [illegible]

ہے دوسرے سردار صاحب کی پہلی صوبائی رابطہ کی میٹنگ میں شمولیت کر لینے کے بعد یہ وجہ انکار خود بخود قابل استرداد ہو جاتی ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ انکار کی اصل وجہ اس دور کے معروضی حالات پر ایک بھرپور تبصرہ اور تجزیہ کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔ سردار صاحب کے اصل الفاظ کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ "اس جھوٹے سے کون ملے ایک دروازے سے آ کر ایک وعدہ کرتا ہے دوسرے دروازے سے

آ کر اس کو توڑ دیتا ہے"۔ صاف ظاہر ہے کہ پہلی میٹنگ میں وزیر اعظم نے کچھ یقین دہانیاں کرائیں جو بعد میں اسلام آباد والوں نے نامنظور ... کی اور ... کے اندر ہی ایک وزیر صاحب جو پانچ

پنجاب لوٹانے کی مہم کس نے چلائی اور کیوں چلائی گئی۔ جب سردار صاحب لندن یاترا سے واپس لوٹے تو امن عامہ کی صورتحال خوفناک حد تک خراب ہو چکی تھی۔ پنجابی نژاد پولیس کی آخری کھیپ جانے والی تھی۔ وزیر اعلیٰ نے ان کو رکنے کی مقدور بھر کوشش کی، ہر قسم کی مراعات کا یقین دلایا لیکن پولیس کو یہ لائن دی گئی کہ ان کے جھوٹے وعدوں پر یقین کر کے اپنا مستقبل خراب نہ کرنا چنانچہ وہ دستہ بھی روانہ کر دیا گیا اور پھر کوئٹہ میں امن عامہ کا جو حشر ہوا وہ کوئٹہ والے ہی بہتر سمجھتے ہیں۔

ایسی ہی ریشہ دوانیوں سے گورنر بگٹی نالاں رہے۔ ریذیڈنسی میں فوجی "بلور روم" قائم کیا گیا جہاں فوجی منصوبے تیار کئے جاتے گورنر قبائلی طریق کار سے واقفیت کی وجہ سے ان اسکیموں پر اعتراض کرتے تو ان کی تجاویز مسترد کر دی جاتیں منتیجتاً نواب صاحب نے گورنمنٹ ہاؤس سے "بلور روم" اٹھوا دیا لیکن مرکز کو یہ بتلایا گیا کہ گورنر منصوبوں کی اطلاع قبائلیوں کو پہنچاتے رہے ہیں اس لئے "بلور روم" اٹھایا گیا۔ درحقیقت مینگل بگٹی دونوں کا ناقابل معافی جرم یہ تھا کہ خرد برد کے معاملے میں انتہائی سخت گیر واقع ہوئے تھے جبکہ گل خان نصیر اور بعد میں جام غلام قادر آف لسبیلہ انتظامیہ کے منظورِ نظر رہے۔ یوں تو ریشہ دوانیاں کہاں نہیں ہوتیں اور انتظامیہ ہر سطح پر ایسے سیاستدانوں کو ترجیح دیتی رہی ہے جو ضمیر اور اصول کے بارے میں لوچ لچک اور افہام و تفہیم کو ترجیح دیتے ہوں اور انتظامیہ کی ہدایات پر عملدرآمد کرنا اپنا فرض عین سمجھتے ہوں لیکن بلوچستان کا المیہ ہے کہ بابائے قوم کے واضح احکامات کے باوجود اس علاقے کو ۲۵ سال تک صوبائی حیثیت سے محروم رکھا گیا اور انتظامیہ ہی کرتا دھرتا بنی رہی چنانچہ وقتاً فوقتاً فوج کشی کے لئے حالات سازگار بنا کر اپنا تسلط اور قبضہ مستحکم کرتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اس خطے میں مستقل قسم کی بحرانی کیفیت قائم رکھی گئی۔ بے گناہوں کو پھانسیاں دی گئیں۔ بلوچ زعماء کو سالہا سال جیلوں میں رکھا گیا۔ غیر مستحقین کو سرداریاں دے کر جائز دارثوں کو محروم کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔ ۱۹۷۰ء کی انتخابی مہم کے دوران خوشخبریاں بھی سننے میں آئیں کہ بلوچوں کو چار مختلف تنظیموں میں بانٹ کر ان کی قوت ختم کر دی گئی ہے اب یہی عنصر نوجوانوں میں بددلی، بدگمانی اور بزرگوں کے خلاف شکوک پھیلا کر اتحاد و یکجہتی کی راہیں مسدود کر رہا ہے بیشک کسی حد تک جنریشن گیپ کا بھی ہے۔ نوجوان طبقہ اپنی فطری بے صبری، اضطراب اور ہیجانی کیفیت کی وجہ سے بزرگوں کی بردباری اور دوراندیشی کو سمجھنے اور برداشت کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ تاہم وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ باہمی افہام و تفہیم سے ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور "سیاسی حلقوں" (جو دراصل انتظامیہ کے آلہ کار ہوتے ہیں) کی ریشہ دوانیوں کا مؤثر طور پر سدباب کیا جائے۔ اب یقین دہانیوں کے شوشے کو ہی لیجئے، ہمیں پچیس سال بڑے بڑے مستبد حکمرانوں کو جو یقین دہانیاں نہ دی گئیں اور ایوب خان، جناب بھٹو اور جنرل ضیاء الحق جیسے ہی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جو یقین دہانی حاصل نہ کر سکے وہ یقین دہانی صوبائی مارشل لاء ایسی آسانی سے کیسے حاصل کر سکا۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی حالانکہ حیدرآباد کے دروانے سردار صاحب کے ایک لفظ پر کھل جاتے مگر علالت کے باوجود وہ لفظ ادا نہ کیا گیا اور جیل کو ترجیح دی گئی کیونکہ یقین دہانیاں دراصل اقبال جرم کا دوسرا نام ہے اور احتساب اور مواخذہ سے بچنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں بہرحال سردار صاحب سے پوچھ لینے میں کیا حرج ہے کہ کسی قسم کی انفرادی یا اجتماعی یقین دہانی کرائی گئی ہے اس طرح باہمی مشوروں سے ہی اختلافات اور ظن و شکوک دور ہو سکتے ہیں اور سیاسی گماشتوں کی تخریب کاری کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔

●

موجودہ حکومت عوام کے مسائل حل کرنے میں ناکام ہو چکی ہے

پاکستان سوشلسٹ پارٹی

پاکستان سوشلسٹ پارٹی سندھ صوبائی کمیٹی کا اجلاس نواب شاہ میں جناب انیس ہاشمی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں ملک کے معاشی، سیاسی حالات کا جائزہ لیا گیا اور ملک کے مزدوروں، کسانوں اور دیگر محنت کش عوام کو درپیش مسائل زیر بحث آئے۔ اجلاس کے خاتمے پر مندرجہ ذیل قراردادیں پاس کی گئیں۔

اجلاس میں ایرانی عوام کی شہنشاہی آمریت کے خاتمے اور حکومت کے ظلم و تشدد کے خلاف جمہوری اور انقلابی جدوجہد کو بھرپور خراج تحسین پیش کیا گیا اور اس کے ساتھ اپنی یک جہتی کا اظہار کیا گیا۔ اجلاس میں ایرانی حکومت کے نہتے عوام کا خون بہانے اور امریکی سامراج اور اس کی بدنام زمانہ ادارہ جاسوسی سی آئی اے کے ایران کے معاملات میں مداخلت کرنے اور عوام کی جدوجہد کے خلاف سازشیں کرنے کی پُرزور مذمت کی گئی۔

اجلاس میں اس یقین کا اظہار کیا گیا کہ ایرانی عوام کی جدوجہد بالآخر کامیابی سے ہمکنار ہو گی۔ اور ایران میں عوامی جمہوری حکومت کا قیام عمل میں آئے گا۔

اجلاس میں سرکاری و نیم سرکاری کنٹرول کے تمام ذرائع ابلاغ کی جانب سے عوامی جمہوریہ افغانستان کے خلاف بے بنیاد اور جھوٹا پروپیگنڈا پھیلانے کی مذمت کی گئی اور مطالبہ کیا گیا کہ اپنے برادر اور مسلمان ہمسایہ ملک کے خلاف یہ سلسلہ فوری بند کیا جائے

اجلاس میں ملک کے معاشی اور سیاسی صورت حال کا گہرا جائزہ لیا گیا۔

بقیہ: جوہر میر

جناب بزنجو کا اصل مفہوم کیا ہے؟ اور یہ کہ وہ اتحاد و یکجہتی کا کیا مفہوم مرتب کرتے ہیں۔ اگر جناب بزنجو پاکستان کے عوام کی طرف سے موجودہ صورتحال کے خلاف مزاحمت کو سامراجی انتشار پسندی کی کوشش گردانے پر تلے ہوئے ہیں تو وہ راستہ کون سا ہے جو مزاحمت کے بغیر موجودہ صورتحال کو تبدیل کر سکتا ہے۔ صورتحال کی پُرامن تبدیلی کا سب سے آسان طریقہ آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ موجودہ صورتحال انتخابات ہی کے جواز میں پیدا ہوئی تھی اور انتخابات ہی کے جواز کے پیش نظر نیویارک ٹائمز کے اشاراتی اداریوں کے توسط سے جناب بزنجو کی جیل سے رہائی وقوع پذیر ہوئی تھی پھر کیا وجہ ہے کہ جناب بزنجو اپنی تمام توانائی انتخابات کے موضوع کے برعکس صرف کر رہے ہیں۔ وہ ایسے موضوعات سامنے لا رہے ہیں جو لاکھ درست سہی موجودہ صورتحال سے ہم آہنگ نظر نہیں آتے۔ جناب بزنجو دانستہ یا نادانستہ موجودہ صورتحال کے ذمہ دار افراد کو ایسا مواد فراہم کر رہے ہیں جو قومیتوں کے حقوق کے جائز موضوع کو متنازعہ بنانے کے لئے استعمال کیا جائے جناب اے کے بروہی اور دیگر نظریہ پاکستان کے مخصوص مفسرین کی طرف سے قومیتوں کے موضوع پر جو لے دے کی جا رہی ہے کیا وہ قومیتوں کے مفاد میں ہے؟ کیا وہ قومیتوں کے اتحاد اور یکجہتی کے لئے ہے؟ آخر جناب بزنجو اپنی دانشوری کی دھاک کس پر بٹھانا چاہتے ہیں کیا وہ مولانا مودودی، اے کے بروہی اور میاں طفیل کو ہم خیال بنانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں اور کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ان کے ہمنوا بن جائیں؟ اگر نہیں تو پھر کیا قومیتوں کی یک جہتی کا تصور اتنا مبہم ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا یا دکھائی نہیں دیتا یا جناب بزنجو سمجھنا اور دیکھنا ہی نہیں چاہتے؟ حقیقت یہ ہے کہ صورتحال بالکل واضح

ہے اور چاروں صوبوں کے عوام کی اکثریت متمنی ہے کہ انتخابات جلد از جلد ہو جائیں اور اقتدار کی پُرامن منتقلی ظہور پذیر ہو۔ جناب بزنجو اگر عوام کی یکجہتی کے اس ایک بنیادی نقطے کو سمجھانا چاہیں تو اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے اور وہ مطلب خود انہوں نے یہ کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ سامراجی طاقتیں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے انتشار کے ذریعے موجودہ صورتحال کو برقرار رکھنا چاہتی ہیں وہ قومیتوں کی یکجہتی کو تباہ و برباد کرنا چاہتی ہیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ جناب بزنجو سے یہی گزارش کر سکتے ہیں کہ وہ دانشوری کے بذاتِ خود بحران سے اب نکل ہی آئیں کیونکہ ان کے قول و فعل کے تضادات پر اصطلاحوں کا ملمع کب کا اتر چکا ہے۔ ان کے لئے اب یہی مناسب اور بہتر ہے کہ وہ بلوچستان کی نوجوان نسل پر رحم فرمائیں، انہیں سیاسی یتیم سمجھنا چھوڑ دیں اور عبدالولی خان کے مشورے کے مطابق سیاست سے ریٹائرمنٹ لے کر، اللہ اللہ کریں کہ اب ان کی عمر یقیناً ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی ہے۔

۱۹۹۲ء تک ایران کی آبادی ساڑھے پانچ کروڑ ہو جائے گی

بقیہ : ایران

اس سوال کو تین مسائل کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے اوّل یہ کہ تیل بذاتِ خود ترقیاتی اثر مرتب نہیں کرتا۔ اس کے "پیچھے کوئی سلسلے" نہیں ہیں۔ یہ مزدوروں کی قلیل تعداد کو روزگار فراہم کرتا ہے اور اپنا سرمایہ اور تکنیکی جانکاری بیرونی ممالک سے حاصل کرتا ہے۔ ایرانی تیل کی صنعت کے ابتدائی ۱۹ سالوں میں تیل کمپنیوں کے لئے خوراک بھی باہر سے درآمد کی جاتی تھی۔ نہ ہی تیل "کوئی آگے کے سلسلے" قائم کرتا ہے۔ اس کی زیادہ تر پیداوار برآمد کر دی جاتی ہے یہ صرف توانائی کا ایک ذریعہ فراہم کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ زرِ مبادلہ بچ جاتا ہے جو دوسری صورت میں خرچ کرنا پڑتا۔ تیل صرف ایک اثر رکھتا ہے۔ یہ ریاست کو ایک آمدنی فراہم کرتا ہے جسے حصولِ تصور کیا جا سکتا ہے۔ تیل کے مزید اثرات کا انحصار اس بات پر ہے کہ محصول سے کیا کام لیا جاتا ہے یعنی ریاست کے طبقاتی کردار اور اس کی سیاسی اور سماجی ترجیحات ان پروگراموں میں منعکس ہوئی ہیں جن کی وہ ابتدا کرتی ہے۔

سرمائے کی بڑی بڑی مقداروں کے انجکشن دو مزید سوالات کھڑے کرتے ہیں تبدیلی کا مقصد صرف معیشت میں رکاوٹوں پر قابو پانا نہیں ہے (جہالت یا ذرائع مواصلات کی کمی) بلکہ ان رکاوٹوں کو بھی دور کرنا ہے جو اربوں ڈالروں کی آمد سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً افراطِ زر، بلا مقابلہ صنعت، غیر پیداواری معاشی سرگرمیوں کا حد سے بڑھ جانا اور آمدنیوں عدم مساوات۔ ایران جیسے غیر ترقی یافتہ تیل پیدا کرنے والے ملک میں مسائل کے یہ دونوں گروہ ایک دوسرے میں گھل مل جاتے ہیں۔ مل جل کر ریاست کی آمدنی کا رخ سرمایہ کاری سے خورد و نوش کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ اس طرح طویل مدت میں معیشت کو ترقی دینے میں تیل کے حصے کو کم دیتے ہیں۔ آخری بات یہ حقیقت ہے کہ تیل ایک ضائع ہو جانے والا سرمایہ ہے۔ ایک سال میں محصولات کا غلط خرچ ملک کے ارتکازِ سرمایہ کے عمل میں بڑا نقصان ہے۔ محصول کا اضافہ شدہ پیداوار میں تبدیل کرنے وقت کے خلاف دوڑ ہے۔ تیل کو اس طرح استعمال کرنا کہ تیل کے ختم ہونے کے وقت تک معیشت جس قدر ممکن ہو تیل کی ضرورت سے آزاد اور ترقی یافتہ ہو۔

ایران توانائی کی برآمد سے ۳ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے وسائل آمدنی ایران کے پاس ہیں۔ تیل، پیٹرو کیمیکلز اور گیس۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایران ۱۹۸۰ء کے آخر تیل برآمد کرنے والا ایک بڑا ملک رہے گا۔ گو کہ ملکی طلب میں غیر معمولی اضافہ اس اختتام اور قریب لا سکتا ہے اور نئے ذخائر کی دریافت اسے اگلی صدی تک ملتوی کر سکتی ہے۔ موجودہ اطلاعات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ایران کے پاس تیل کے محصولات سے آزاد ہونے کے لئے صرف ۱۵ سال ہیں۔ ایران نے تیل کو خام صورت میں برآمد کرنے کی بجائے اسے صاف کر کے برآمد کر کے اپنے محصولات میں اضافے کی کوشش کی ہے لیکن تیل صاف کرنے سے اس کی قیمت میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ بہت کم ہے اور دنیا میں پہلے ہی ضرورت سے زیادہ تیل صاف کرنے کی گنجائش پہلے سے موجود ہے۔ ظاہر ہے پیٹرو کیمیکلز ایک ایسا علاقہ ہیں جس میں برآمدات کی قیمت میں زبردست اضافہ ممکن ہے اور پیٹرو کیمیکلز پلانٹوں میں سرمایہ کاری ۱۹۷۳-۷۸ء کے پنج سالہ منصوبے کا ایک بڑا حصہ ہے صرف دھاتوں اور سٹیل کے لئے صنعتی ترقیاتی فنڈ میں اس سے زیادہ رقم رکھی گئی ہے۔ ۱۹۷۶ء میں نیشنل پیٹرو کیمیکل کمپنی ۴ کمپلکس چلا رہی تھی۔ جن میں کھاد، پولی وینائل کلورائڈ (پی وی سی) اور دوسری چیزیں تیار کی جا رہی تھیں۔ لیکن اس میدان میں شدید قسم کی حدود موجود ہیں۔ اس طرح کے پلانٹ کی تعمیر کی لاگت ان ملکوں کے مقابلے میں جہاں اس پیداوار کی ضرورت ہے۔ (مثلاً جاپان) ۵۰ سے ۸۰ فی صد زیادہ ہے۔ اور دنیا بھر میں پیٹرو کیمیکل میں سرمایہ کاری کے پیشِ نظر ان اشیاء کی منڈی میں سخت مقابلے کا سامنا ہو گا۔ نیز یہ کہ جیسے جیسے ایران کی داخلی ضروریات میں اضافہ ہو گا۔ تو زرِ مبادلہ کمانے کے لئے برآمد ہونے والی مقدار میں کمی ہو جائے۔ ایران کی پیٹرو کیمیکل کی پیداوار اس کے غیر ملکی زرِ مبادلہ اور سرکاری محصولات کیلئے تیل پر انحصار کو کم نہیں کرے گی۔

گیس کی برآمد کے امکانات زیادہ بہتر ہیں۔ ایران کے پاس ایک سنکھ ۱۰ کھرب مکعب لیٹر گیس کے ذخائر ہیں۔ یہ دنیا کے گیس کے ذخائر کا ۱۶ فی صد اور روس کے سوا دنیا کے ہر ملک سے زیادہ ہیں۔ ۱۹۷۰ء کی شرح کے مطابق ایران ۲۳۴ سال تک گیس پیدا کر سکتا ہے۔ ایک آمدنی کا ایک بہت بڑا اور قابلِ اعتبار وسیلہ ہے ۱۹۷۰ء سے ایران روس کو ایک پائپ لائن کے ذریعے گیس برآمد کر رہا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے ۱۹۸۰ء تک ایران کو گیس سے ہونے والی آمدنی ۳ ارب ۴۰ کروڑ ڈالر اور ۵ ارب ۱۰ کروڑ ڈالر کے درمیان ہو گی۔ بہت زیادہ دار و مدار اس بات پر ہو گا کہ آئندہ چند سالوں میں ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کی توانائی ضروریات میں گیس کیا کردار ادا کرے گی۔ گیس کی زیادہ سے زیادہ آمدنی کے جو تخمینے لگائے جاتے ہیں۔ وہ تیل سے ہونے والی آمدنی کا ۱۵ فی صد ہیں۔ اس کے علاوہ مغربی یورپ کو ایرانی گیس کی برآمد میں الجزائر اور ہالینڈ سے سخت مقابلہ ہو گا جو زیادہ بہتر جغرافیائی حیثیت میں ہیں۔ گیس کی حمل و نقل پر اخراجات تیل کے مقابلے میں ۴ گنا ہیں۔ یہ بھی ایک اہم عنصر ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۹۸۰ء میں یورپی ممالک ۱۹ ارب ۵۰ کروڑ اور ۲۲ ارب ۳۰ کروڑ مکعب فٹ کے درمیان گیس درآمد کریں گے۔ ہالینڈ ۱۰ ارب ۳۰ کروڑ مکعب فٹ اور الجزائر ۴ ارب ۵۰ کروڑ ایران ۵ سے ۶ ارب مکعب گیس برآمد کریں گے۔ ایران نے پہلے ہی سے اس مقابلے کی منڈی کی تنگی کو محسوس کرنا شروع کر دیا ہے اور اکتوبر ۱۹۷۶ء میں اس نے بلجیم کی دو کمپنیوں اور امریکہ ال پاسو نیچرل گیس کمپنی سے کئے گئے ۱۹۷۴ء کے ایک بڑے معاہدے کو منسوخ کر دیا کیونکہ یہ فروخت کے لئے سازگار حالات کا ضامن نہیں تھا۔ امکان یہ ہے کہ جہاں ایران مستقبل میں گیس کی برآمد سے بڑی حد تک فوائد حاصل کر سکتا ہے لیکن اس کی مقدار غیر یقینی ہے اور اس نقصان کی مناسب حد تک پابجائی نہیں کر سکے گی۔ جو تیل کی برآمد میں کمی کے نتیجے میں ہو گا۔

(جاری ہے)

چھوٹا منہ بڑی بات

ابوضیا اقبال

سابقہ حکومت کے خلاف تازہ ترین قرطاسِ ابیض کے مطابق زرعی اصلاحات کے سلسلے میں جن حضرات نے جناب بھٹو اور ان کے اہلِ خاندان کے گھپلے اور گول مال سے فائدہ اٹھایا۔ ان میں جناب میر علی احمد تالپور، جناب سید حسن محمود، جناب میر غوث بخش بزنجو، جناب میر نبی بخش زہری، جناب اکبر بگٹی، جناب خیر بخش مری، سابق امیر بہاول پور ریٹائرڈ بریگیڈیئر عباسی، جناب مظفر علی خاں، جناب میر یوسف علی خاں، جناب احمد نواز بگٹی، جناب تاج محمد جمالی، جناب میر گل نصیر خاں وغیرہ بھی شامل تھے۔ اب یہ سارے حضرات کسی نہ کسی رنگ میں قرطاسِ ابیض کے نغمہ سرا اور مدح خواں ہیں تو اس میں بے چارے سفید کاغذ کا کیا قصور! اور ان کا اپنا بھی کیا قصور! اُس دار و گیر کے دور میں دم مارنے کی مجال کسے تھی! حکم حاکم مرگِ مفاجات۔ حق گوئی کا دور تو اب آیا ہے اور جراُت گفتار اب ملی ہے۔ اسی لئے بقول حضرت اکبر الٰہ آبادی ؎

پہلے سنتے تھے صدائیں مردِ میداں کون ہے
اب تو یہ سرگوشیاں ہیں میری "گوئیاں" کون ہے

***

وزیر اطلاعات و نشریات جناب محمود اعظم فاروقی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ معاشرے میں ننگی تصویروں اور سنسنی خیز خبروں کی مانگ پہلے صحافیوں نے پیدا کی اور معاشرے کو اس راہ پر لگایا۔ صحافی آہستہ آہستہ قوم کا مزاج بگاڑتے رہے اور زہر دیتے رہے۔ (جنگ ۲۵ جنوری)

اچھا ہوا جو موصوف نے صحافیوں کی تخصیص نہیں کی اور بلا امتیاز سارے صحافیوں کو گاڑی کے ایک ہی کمپارٹمنٹ میں سوار کرا دیا، ورنہ بڑی گڑ بڑ ہو جاتی اور وہ اصلی تے وڈے اخبار والے ناراض ہو جاتے جو دو دو صفحوں پر فلموں کے لیے ہوشربا اشتہار چھاپتے تھے (اور چھاپتے ہیں، کہ اکثر گھروں میں والدین ہاکر سے اخبا

لیتے ہی سب سے پہلے ان صفحوں کو الگ کر لیتے ہیں تاکہ دراز قد ہوتے ہوئے لڑکے اور لڑکیاں ان سے مستفید نہ ہوں۔ رہی بات سنسنی خیز خبروں کی، تو اس میں سنسنی پیدا کرنے والوں کا کوئی قصور نہیں۔ قصور تو صحافیوں کا ہے جو کسی نوزائیدہ سنسنی کو دفن کرنے کے بجائے اس کی نمائش کرا کے اسے جنم دینے والوں کی رسوائی بھی کراتے ہیں اور معاشرے کو بگاڑتے بھی ہیں۔

***

بھارت کے سابق وزیر صحت شری راج نرائن غالباً اب میر کا یہ شعر الاپ رہے ہوں گے کہ ؎

غلط اپنا کہ اس جفا جو کو
سادگی سے ہم آشنا سمجھے

اس کی تشریح یہ ہے کہ وزیر داخلہ شری چرن سنگھ کی وزیر اعظم شری مرار جی ڈیسائی سے ٹھن گئی تو شری راج نرائن نے اپنے یار چرن سنگھ کی خاطر وزارت سے استعفیٰ داغ دیا۔ چشم گردوں کی کرامات کہ چرن سنگھ اور ڈیسائی میں بن گئی اور چرن سنگھ کابینہ میں نائب وزیر اعظم بن گئے لیکن شری ڈیسائی نے راج نرائن کو دوبارہ منہ نہ لگایا اور انہیں کابینہ میں بھی کوئی گدی نہیں دی۔ راج نرائن جی اگر سیاست کی دیوی سے ناآشنا نہیں تو چرن سنگھ کی کلا سے ضرور ناواقف ہوں گے۔ انہیں نہیں معلوم کہ کرسی نشینوں کے منشی اور محرر، ان سے کرسی چھن جانے کے بعد قرطاسِ ابیض کی کتابت بھی بڑی خوش اسلوبی سے کر سکتے ہیں۔

***

معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ میں ٹیکنالوجی کے بہت سے شائق اور ماہر ہیں اور اسے برتنے میں مہارت اور کمال رکھتے ہیں۔ کیونکہ جب پاکستان کے وزیر ٹیکنالوجی جناب محمد ارشد چوہدری نیویارک جا کر اقوام متحدہ کی ٹیکنالوجی کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کے بعد اپنے ہوٹل واپس پہنچے تو انہوں نے اپنے سفری چیک، نقدی اور بیوی کے قیمتی زیورات غائب پائے۔ کسی نے کوئی ٹیکنالوجی دکھا کر ان کے سوٹ کیسوں کا صفایا کر دیا۔ دراصل امریکہ والے ہر فن مولا ہیں۔ اُدھر ان کے نائب وزیر ٹیکنالوجی پاکستان کے وزیر ٹیکنالوجی سے گفت و شنید فرما رہے ہیں اور ادھر اس میدان کے کوئی ماہر ہوٹل میں مذاکرات کے متن کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ اسی لئے تو امریکی قوم دنیا کی اقوام میں آگے آگے ہے۔ اور آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ ۔ ۔ کی داعی ہے۔

***

یہ پبلک بھی بڑی فتنہ پرور اور مفسد ہے خاص کر پولیس کے بارے میں تو اس کا رویہ شر پسندانہ ہے اب اسی نیو سعید آباد کے واقعہ کو ہی لیجیے۔ جہاں گذشتہ دنوں پولیس نے خرکاروں کے ایک بیگار کیمپ پر چھاپہ مارا تھا اور پھر ایس پی حیدر آباد نے ایک دل پذیر اور بصیرت افروز طویل بیان اخبارات میں چھپوایا تھا کہ وہاں پائے جانے والے ۲۸ بچے برضا و رغبت اور والدین کی اجازت سے محنت کر کے نیک روزی کما رہے ہیں اور نہ صرف والدین پر بوجھ نہیں بنے ہیں بلکہ ان کی کفالت بھی کر رہے ہیں۔ اس طرح وہاں کوئی خرکار کیمپ نہیں ہے بلکہ ایمپلائمنٹ ایکس چینج کھلا ہوا ہے۔ لیکن بُرا ہو نیو سعید آباد کی ناپسندیدہ عناصر پبلک کا کہ ایس پی بہادر کے اس قومی و ملی جذبے سے بھرپور بیان کو غلط ثابت کر رہی ہے اور الزام لگا رہی ہے کہ اخباری نمائندوں کو خرکاری کی خبریں شائع کرانے پر اظہارِ وجوہ کے نوٹس دیئے گئے ہیں اور انہیں تھانوں میں بلوا کر ان سے بیانات بھی لکھوائے جا رہے ہیں۔ شہر کے نثر پسند سماجی اور سیاسی رہنماؤں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ بچوں کو اپنی تحویل میں لے کر والدین کو تلاش کیا جائے۔ (جنگ ۲۵ جنوری)

نذر محمد بھٹی

نذیر ملک

کویت میں

بھٹو کی تصویر پر پھولوں کی بارش

اپنے محبوب وطن سے ہزاروں میل دور رہنے والے محب وطن شہریوں کا دل وطن کے چہرے پر ابھرنے اور مٹنے والی سیاسی لکیروں کو اتنی ہی شدت سے محسوس کرتا ہے جتنی شدت اور تیزی سے وطن میں رہنے والے محب وطن عوام محسوس کرتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وطن سے دور رہنے کا قصد آدمی بحالت مجبوری ہی کرتا ہے۔ معاشی طور پر بدحال لوگ ملک میں ناپید روزگار سے اتنے بددل ہوتے ہیں کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہزاروں میل دور چلے جاتے ہیں تاکہ زندہ رہنے کے لئے پیسے کمائے جاسکیں۔ اگر کسی فرد کو اس کی حیثیت کے مطابق روزگار ملے، آمدنی ہو تو وہ پاگل تو نہیں کہ مادر وطن کی آغوشِ شفیق سے از خود دور رہے اور ہمہ وقت اس کی محبت میں تڑپتا رہے۔

پاکستان سے دور رہنے والوں کے جذبات و احساسات بڑے نازک ہوتے ہیں اور وہ ان کا اظہار کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں جب بھی موقع ملتا ہے وہ اپنے دلی احساسات کو الفاظ کی شکل میں ڈھالنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کے احساسات کو اپنے ہموطنوں تک پہنچا دیں تاکہ وطن میں رہنے والے محب وطن، وطن سے دور رہنے والے محب وطن افراد کے جذبات و احساسات سے اپنے احساسات و جذبات کا تقابل کریں۔ اور اس بات پر ان کے دلوں کی دھڑکنیں مارے خوشی کے تیز ہو جائیں کہ ہم سے دور رہنے والے محبانِ وطن کے بھی وہی جذبات و احساسات ہیں جو ہمارے دلوں میں لمحہ بہ لمحہ جنم لے رہے ہیں۔

گزشتہ دنوں پاکستان کے چھوٹے بڑے شہروں میں پیپلز پارٹی کے چیئرمین پاکستان کے پہلے منتخب وزیر اعظم (سابق) اور مارشل لا کے اسیر جناب ذوالفقار علی بھٹو کی ۵۱ ویں سالگرہ بڑے اہتمام سے منا کر عوام اور پی پی پی کے کارکنوں نے اپنی رجائیت کا مظاہرہ کیا۔ جب وطن میں بسنے والے باسی اپنے اسیر رہنما کی سالگرہ منا کر اپنی ازلی و ابدی رجائیت کا مظاہرہ کریں تو پھر وطن سے دور رہنے والے محب وطن اپنی رجائیت کا مظاہرہ کیوں نہ کریں؟

کویت اور گلف کی پیپلز پارٹی کے سیکریٹری جنرل اور پاکستان پیپلز کلب کویت کے سیکریٹری مسٹر نظر محمد بھٹی نے اپنی رہائش گاہ واقع مرغاب پر اپنے اسیر رہنما کی سالگرہ منانے کا اہتمام کیا۔ اس تقریب سعید کی صدارت مسٹر افضل نور نے کی۔ اس تقریب میں پارٹی کے عہدیداروں، کارکنوں، عام شہریوں اور غیر ملکیوں نے شرکت کی اور مسٹر بھٹو کی رہائی درازیٔ عمر اور صحت یابی کی دعاؤں کے ساتھ ہی اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ پیپلز پارٹی اور جناب بھٹو کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ اس تقریب میں مسٹر عقیل قریشی، مسٹر غلام دستگیر کلیمی، مسٹر صدیق کھوکھر اور مسٹر اسلم ظفر نے اپنے انتہائی جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔

پاکستان پیپلز پارٹی کویت و گلف کے صدر مسٹر افضل نے بھی اپنی رہائش گاہ واقع راس سالمیہ پر ایک جلسہ برپا کیا اس جلسے کو جناب بھٹو کی سالگرہ کے سلسلے میں ہونے والی نمایاں تقریب کہا جاسکتا ہے۔ یہ تقریب کم و بیش چار گھنٹے انتہائی جوش سے جاری رہی۔ جناب بھٹو کی تصویر پر پھولوں کی بارش کی گئی۔ دعائیں مانگی گئیں۔ قوم و ملک کو سیاسی بحران سے نجات دلانے کا عزم کیا گیا اور پاکستان کے ذرائع ابلاغ عامہ سے جناب بھٹو کی کردار کشی کی مہم کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی اور محترمہ نصرت بھٹو اور آنسہ بے نظیر کی جدوجہد کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انہیں یقین دلایا گیا کہ کویت میں رہنے والے پاکستانی ملک و قوم اور جناب بھٹو اور پی پی پی کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہیں ●

بھٹو کی سالگرہ پر کراچی کا ایک جلسہ

بار ایسوسی ایشن ڈیرہ غازی خاں میں "مثبت نتائج" حاصل نہ ہو سکے!

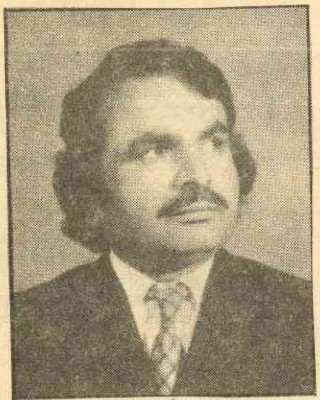

محمد شفیع تالپور ایڈووکیٹ

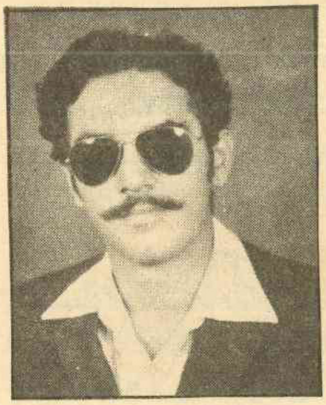

محمود نواز خان بابر

بشیر الامین سالاری — ڈیرہ غازی خان

گزشتہ دنوں یہاں ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن ڈیرہ غازیخان کے سالانہ انتخابات میں نام نہاد قومی اتحاد اور جماعت مودودی کے حامی امیدواروں کو عبرتناک شکست ہوگئی. الیکشن میں جناب بھٹو اور مولانا نورانی کے حامی اور تمام ترقی پسند نوجوان امیدوار بھاری اکثریت سے جیت گئے۔ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن ڈیرہ غازیخان عرصہ دراز سے جماعت اسلامی کا گڑھ سمجھا جاتا تھا. پہلی بار جماعت اسلامی اور ان کے حامیوں کو عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا جبکہ جماعت اسلامی اور قومی اتحاد کے مشترکہ امیدواروں کو اس مرتبہ حکومت کی سرپرستی بھی حاصل رہی. بیرونی عناصر بھی جماعت کے امیدواروں کے لئے بھاگ دوڑ کرتے رہے لیکن شکست ان کا مقدر بن گئی اور "مثبت نتائج" حاصل نہ ہو سکے. پرانے بت پاش پاش ہو گئے اور نئی قیادت ابھر کر سامنے آگئی

تفصیلات کے مطابق پیپلز پارٹی، جمعیت علماء پاکستان اور تحریک استقلال کے حامی نوجوان وکلاء نے ینگ لائرز ایسوسی ایشن تشکیل دی جبکہ جماعت اسلامی، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی، مسلم لیگ جمعیت علمائے اسلام اور پاکستان جمہوری پارٹی کے حامی وکلاء نے قومی اتحاد فرنٹ تشکیل دیا۔ قومی اتحاد فرنٹ کو پنجاب بار کونسل کی حمایت بھی حاصل تھی۔ علاوہ ازیں نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے ضلعی صدر و سابق صدر بار ایسوسی ایشن ڈیرہ غازیخان مسٹر سردار محمد شریف خان کھوسہ ایڈووکیٹ، پاکستان قومی اتحاد ڈیرہ غازی خان کے ضلعی صدر و سابق صدر بار ایسوسی ایشن ڈیرہ غازی خان مسٹر طالب خان داؤدی ایڈووکیٹ مسلم لیگ ڈیرہ غازی خان کے ضلعی صدر مسٹر منظور احمد غوری ایڈووکیٹ، جماعت اسلامی ڈیرہ غازی خان کے امیر میاں محمد رمضان ایڈووکیٹ بھی قومی اتحاد فرنٹ کے امیدواروں کے لئے بھرپور کنویسنگ کر رہے تھے لیکن نوجوان وکلاء نے نئی ترقی پسند قیادت کو ووٹ دیئے اور فرسودہ قیادت کو رد کر دیا۔

ینگ لائرز ایسوسی ایشن کی طرف سے صدارت کے امیدوار محمد انور حسن قریشی ایڈووکیٹ تھے جنہوں نے اپنے مخالف امیدوار حاجی سلطان محمد ایڈووکیٹ کے ۵۸ ووٹوں کے مقابلہ میں ۶۵ ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی۔ محمد انور قریشی ایڈووکیٹ جمعیت علمائے پاکستان ڈیرہ غازی خان کے ضلعی صدر رہ بھی ہیں۔ نائب صدارت کے مقابلے کے لئے ینگ لائرز ایسوسی ایشن کی طرف سے محمد شفیع تالپور امیدوار تھے جنہوں نے اپنے مخالف امیدوار امین بھٹی کے ۴۹ ووٹوں کے مقابلے میں ۷۳ ووٹ حاصل کر کے غالب اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ واضح رہے کہ محمد شفیع تالپور ایڈووکیٹ پیپلز پارٹی ڈیرہ غازیخان کے سرگرم کارکن ہیں۔ جنرل سیکرٹری کے عہدے کے لئے اخوند صدیق اکبر اپنے مخالف فرید اکبر خان کے ۵۱ ووٹوں کے مقابلہ میں ۵۷ ووٹ لے کر کامیاب ہوئے۔ اخوند صدیق اکبر کا کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جوائنٹ سیکرٹری کے عہدے کے لئے ینگ لائرز ایسوسی ایشن کی طرف سے محمود نواز خان بابر امیدوار تھے جنہوں نے اپنے مدمقابل جہانزیب خان کو ۵۲ ووٹوں کے مقابلہ میں ۶۷ ووٹ حاصل کر کے شکست دی۔ محمد نواز خان بابر کا تعلق بھی پیپلز پارٹی سے ہے اور وہ پیپلز پارٹی ڈیرہ غازی خان کے سرگرم رکن ہیں۔ اس الیکشن کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس مرتبہ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن ڈیرہ غازی خان میں نوجوان ترقی پسند قیادت منتخب ہوئی ہے جن کی عمریں ۲۵ سال سے ۳۵ سال کے درمیان ہیں۔

بشیر الامین سالاری نمائندہ "ذوالفقار"

وزیر نے بلایا، صاحب نے کہا ٹھہرو، ٹیلیویژن والوں سے بات کروں

ننکانہ صاحب
لال دین اختر

حال ہی میں ننکانہ صاحب میں وفاقی وزیر اقلیتی و مذہبی امور نوابزادہ افتخار احمد انصاری کی آمد پر دو ایسے مناظر دیکھنے میں آئے جس سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ چور دروازوں سے ایوان اقتدار میں گھسنے والے وزراء کو بیوروکریسی کیا مقام و مرتبہ دیتی ہے اور خود یہ وزراء اپنے کارکنوں کی کس حد تک عزت افزائی کا سبب بنتے ہیں۔ عوام کے منتخب وزیروں اور چور دروازے سے غیر نمائندہ حکومت میں شامل ہونے والے وزیروں کی عزت و احترام اور سرکاری ملازمین پر ان کے رعب و دبدبہ کا فرق گزشتہ روز اس وقت دیکھنے میں آیا۔ جب مذہبی امور کے وفاقی وزیر نوابزادہ افتخار احمد انصاری

مقامی گوردوارہ جنم استھان میں پہنچے۔ مقامی صحافیوں نے ان کے سامنے تجویز پیش کی کہ اٹھارہ ہزار ایکڑ گوردوارہ کیلئے وقف زرعی اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی میں سے گورونانک کالج کی توسیع اور دوسرے ترقیاتی اور رفاہی منصوبوں پر اوقاف بورڈ کو کچھ رقم مخصوص کرنا چاہیئے۔ وزیر مذہبی امور نے اس تجویز کا جواب دینے کے لئے چیئرمین اوقاف بورڈ کو طلب کیا۔ چیئرمین اوقاف بورڈ کا جواب آیا کہ وہ ٹیلی ویژن کے نمائندوں کے ساتھ مصروف گفتگو ہیں کچھ دیر بعد پھر پیغام بھیجا گیا پھر وہی جواب ملا۔ ۲۰ منٹ بعد تیسری مرتبہ وزیر صاحب نے قدرے خفگی کے انداز میں پیغام بھیجا تو پھر اسی بے نیازی اور لاپرواہی کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ بالآخر وزیر مذہبی امور بے بس ہو کر خاموش ہو گئے۔ اس کے برعکس عوام کے منتخب نمائندہ وزیروں کے دور میں محکمہ اوقاف کے چیئرمین وفاقی وزیر کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے اور ایسی بے نیازی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

عوامی دور میں جب کوئی صوبائی یا وفاقی وزیر دورے پر آتا تھا تو برسراقتدار جماعت کے عہدیدار اور عام لوگ جوق در جوق اپنے منتخب رہنما کے لئے پہنچ جاتے تھے۔ عوامی وزراء بھی عوام کے اس جذبہ کو قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن مذہبی امور کے وزیر نوابزادہ افتخار احمد انصاری جب ننکانہ صاحب پہنچے تو ان کی آمد سے قبل مسجد کے لاؤڈ اسپیکروں سے قومی اتحاد کے مقامی رہنماؤں اور کارکنوں سے اپیل کی گئی کہ وہ گوردوارہ جنم استھان پہنچیں۔ قومی اتحاد کے مقامی عہدیدار اور دو درجن کارکن نئے سوٹ، اچکنیں، ٹوپیاں اور کلف لگی پگڑیاں پہن کر بڑے فخر و تمکنت کے ساتھ سینہ پھلائے اور شان و شوکت کے ساتھ بازاروں میں سے چلتے ہوئے جب مقامی گوردوارہ جنم استھان میں پہنچے تو انہیں کسی نے بھی گھاس نہیں ڈالی بلکہ جب وفاقی وزیر کے آنے کا وقت ہوا تو محکمہ اوقاف کی طرف سے انہیں گوردوارہ میں سے یہ کہہ کر باہر نکال دیا گیا کہ یہ سرکاری فنکشن ہے۔ اس طرح قومی اتحاد کے بعض رہنما اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ہار ڈبوں میں بند کر کے گردنیں جھکائے بڑبڑاتے ہوئے واپس چلے آئے۔ ✱

وقت بتائے گا، کون کیا ہے

بیگم شوکت اقبال

پیپلز پارٹی کے قائدین نے پنجاب کے مختلف اضلاع کے دورے کا پروگرام بنایا ہے اور کارکنوں سے رابطے کی مہم کا آغاز کر دیا ہے دیکھنا یہ ہے کہ ان دوروں کو پارٹی میں نظم و ضبط اور اتحاد پیدا کرنے کے لیئے استعمال کیا جاتا تھا یا عہدوں کی صورت میں فرضی یا اصلی (انفرادی) کارروائی کے نمبر لگانے کے لیئے . . . !

ایک وہ ہیں جنہوں نے کوڑے لگے تن سے رستے ہوئے خون اور جلتے جسموں سے تاریکیٔ شب میں جمہوریت اور آزادی کی شمعیں روشن کی ہیں اور ایک وہ ہیں جو مکاری اور ہوشیاری سے دوسروں کی کارکردگی کا سہرا اپنے ماتھے پر سجائے پارٹی کے بڑوں سے داد وصول کرتے پھر رہے ہیں مگر یہ طے ہے کہ منزل اس دفعہ انہیں ہی ملے گی جو شریک سفر ہوں گے . . . ! لیکن کونسی منزل . . . ؟ چیئرمین بھٹو جیل کی کال کوٹھڑی میں سزائے موت کے خلاف ابھی اپیل کے فیصلے کے منتظر ہیں . . . ملک کے مستقبل سے متعلق ہر محب وطن شہری کے دل میں شبہات دن بدن تقویت پکڑ رہے ہیں۔ ہر کوئی یہ سوچ رہا ہے فیصلہ کیا ہو گا . . . ؟ اس ملک کا کیا بنے گا ؟ یقیناً یہ وقت قربانیوں کا صلہ لینے اور کارکردگی کی داد وصول کرنے کا نہیں ہے خدا کرے وہ گھڑی آئے . . . ہم اپنی منزل پا لیں . . . . چیئرمین بھٹو با عزت رہا ہو کر کارکنوں کے درمیان موجود ہوں اور خود کارکن ہم میں سے ہر ایک کی کارکردگی کی شہادت دیں موجودہ حالات میں ہر کوئی اپنے آپ کو خالی عہدوں کے لیئے نامزدگی کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایک دوسرے کی حمایت اور مخالفت میں گروہ بندی ہو گی اور پارٹی کے اتحاد کو نقصان پہنچے گا کیا ہم چند دن انتظار نہیں کر سکتے۔ ؟

پارٹی کے عہدے داروں کی نسبت ان کارکنوں کی قربانیاں کہیں زیادہ ہیں جن کے پاس کوئی عہدہ نہ تھا تو پھر کیوں ان بے موقعہ نامزدگیوں کے چکر میں ہم وقت کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیں۔ کیوں نہ یہ عہدے اور یہ اعزاز ہمارے قائد کے ہاتھوں مستحق اور جاں نثار کارکنوں کو ملیں خدا کیلئے بند کریں یہ سلسلہ . . . . قائد کی غیر موجودگی میں نہیں چاہیئں کارکنوں کو یہ عہدے اور یہ اعزاز . . . . پایا ہی کیا ہے جو ہم لپک جھپٹ شروع کر دیں پہلے ہی چند موقع پرست عوام اور کارکنوں کی پُرامید نظروں میں اپنی فرضی کارکردگیوں کی ڈھول جھونک رہے ہیں اپنے حواریوں کو اپنی حمایت میں صوبائی اور مرکزی قیادت کے پاس نمبر بنانے کے لیئے بھیج رہے ہیں اخباروں اور رسالوں میں کسی کے خلاف اور کسی کی حمایت میں ڈائریاں لکھوائی جا رہی ہیں۔ ایک طرف سیاسی آزادیوں پر پابندی ہے ایک ایک کر کے عوام سے رابطے کے تمام دروازے بند کیئے جا رہے ہیں نظام مصطفیٰ کے ڈھنڈورچیوں کی حکومت میں حق بات کہنے والوں کو کوڑے لگائے جاتے ہیں پیپلز پارٹی کا پریس تو ایک طرف آزاد پریس پر بھی سنسر بٹھا دیا گیا ہے ایسے حالات میں آخر اس انفرادی تشہیر اور تضحیک کا مقصد کیا ہے جو لوگ جمہوریت کی بحالی اور ملک کی سالمیت کے لیئے واقعتاً کچھ کر رہے ہیں وہ حکومت وقت کی نظروں میں مجرم ٹھہرائے جاتے ہیں تو کیا اس تشہیر سے ایسے کارکنوں کی نشاندہی مقصود ہے تاکہ انتظامیہ کو ان کے خلاف کارروائی میں کوئی دقت پیش نہ آئے یقیناً کوئی سرگرم کارکن ایسا نہیں چاہے گا۔ اور نہ ہی کوئی عوام دوست صحافی اسے حکومت کی نظروں میں مشکوک بنانے کی کوشش کرے گا تو پھر یہ سب کیا ہے ؟ شاید دوسروں کے لہو کو اپنے جسموں پر سجانے کی ایک مذموم کوشش . . . !

جو لوگ عمل میں ہیں وہ جانتے ہیں کہ سیاسی جدوجہد عبادت کی طرح تنہائی کا عمل نہیں ہے اس کا تعلق عوام میں رہ کر کام کرنے سے ہے جس کی تشہیر خود بخود عوام میں ہوتی رہتی ہے وقت آنے پر ہر ایک کا نامہ اعمال کھل جائے گا۔ پارٹی کے جن ذمہ دار افراد نے بزدلی اور بے عملی کے ذریعے عوام کو مایوس کیا ہے انہیں کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جائے گا لیکن منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد اچھی طرح دیکھ پرکھ کر . . . ہو سکتا ہے کل کو نامعلوم افراد جانے پہچانے لوگوں سے زیادہ سرخرو نکلیں . . . تشہیر ضرور کیجئے لیکن کارکنوں کی اجتماعی جدوجہد کی، مذمت ضرور کرنی چاہیئے ان اہم اور ذمہ دار افراد کی جو بزدل ٹھہرے جنہوں نے حلال . . . کی بجائے حرام کا راستہ چنا لیکن عمومی انداز میں، انشاء اللہ وہ وقت بھی آئے گا جب ہر ایک کو اس کی کارکردگی اور قربانی کا صلہ ملے گا اب کے کسی سؤر کو پکی ہوئی فصل کو اجاڑنے کی اجازت نہیں دی جائے گی لیکن اس وقت جب ہر طرف چراغاں ہو گا۔ جب محنت کشوں اور غریبوں کے چہروں سے حقیقی خوشی کی شعاعیں پھوٹیں گی . . . اس وقت اور صرف اس وقت جب چاند نکلے گا . . . چودھویں کا چاند . . . اور ستارے ڈوب جائیں گے ہاں اس وقت کے لیئے تیار رہو، منظم رہو، اور پُرامید بھی . . . . ! ✱

سندھ میں وڈیرہ شاہی اور پنجاب میں جاگیرداری کا کردار یکساں ہے

دیہاتی محنت کش محاذ کا دورۂ سندھ

ہم دیہاتی محنت کش محاذ پنجاب کے عہدیداران ایک وفد کی شکل میں سندھی ہاری کمیٹی کی دعوت پر سندھ کے دورے کے لئے آئے تو ضلع بدین اور ضلع حیدرآباد، گولارچی، ڈبی چک نمبر ۱۱ گوٹھ زیتون ملاح، کھاروا ٹنڈو محمد خان میں سندھی ہاری کمیٹی کے ہاریوں، کارکنوں اور عہدیداروں سے ملاقاتوں کے دوران انکشاف ہوا کہ سندھ میں اور پنجاب میں جاگیرداروں، وڈیروں اور نوکرشاہی کے ظلم کی داستانیں ایک ہی مناسبت رکھتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سندھی ہاریوں کا استحصال سندھی وڈیروں، پیروں کے علاوہ پنجاب کے جاگیردار، بلوچستان کے سردار، سرحد کے خان بھی کر رہے ہیں جو کہ سراسر سندھی ہاریوں کے حقوق کے خلاف ہے ہم اس کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔

کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے چاروں صوبوں کے عوام کا بھائی چارہ صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جبکہ ان کو ان کے حقوق دیئے جائیں ورنہ آپس میں نفاق رہے گا اور یہ نفاق ایک خطرناک شکل بھی اختیار کر سکتا ہے جس کا پاکستان متحمل نہیں ہے۔ ہم موجودہ حکومت سے مندرجہ ذیل مطالبات کے فوری طور پر تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۱: تمام بے دخل شدہ سندھی ہاریوں اور پنجاب کے مزارعین کو فوراً بحال کیا جائے۔

۲: تمام جاگیرداروں، وڈیروں، پیروں، سرداروں اور خانوں سے بنیادی ضرورت سے زائد زمین چھین کر غریب ہاریوں اور مزارعین میں مفت تقسیم کی جائیں جس سے کہ نہ صرف جاگیرداروں کا ظلم و ستم ختم ہوگا بلکہ قومی زرعی پیداوار میں بھی اضافہ ہوگا۔

۳: پانچ مرلہ اسکیم پر عملدرآمد کیا جائے تاکہ غریب ہاریوں اور مزارعین کی رہائش گاہ کا مسئلہ حل ہو سکے۔

۴: سندھ میں دوسرے صوبوں سے آنے والوں کو زمین الاٹ نہ کی جائے بلکہ ان کے اپنے صوبے میں الاٹ ہونی چاہیئے تاکہ ہر صوبہ زرعی پیداوار میں خود کفیل ہو سکے۔

۵: ستم زدہ غریبوں کو ٹی وی پر ظالموں کے ظلم کی داستانیں سنانے کی اجازت دی جائے۔

۶: خود انحصاری پر عمل کرتے ہوئے ٹریکٹروں کی درآمد روکی جائے جو کہ ہاریوں اور مزارعین کی بیدخلی کا بڑا سبب ہے۔ نیز اس عمل سے ملک کا زرمبادلہ بھی بچے گا اور سامراجی تسلط سے بھی نجات ملے گی۔

۷: غریب ہاریوں اور مزارعوں کو پولیس تشدد اور نوکرشاہی کے ظلم سے نجات دلائی جائے۔

۸: دیہاتوں کا راشن کا کوٹہ شہروں کے مساوی کیا جائے۔

۹: ملک کے تمام دیہات میں بجلی پانی اور مواصلات کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تاکہ دیہاتی عوام بھی ترقی پذیر دور میں شامل ہو سکے۔

۱۰: ملک کے تمام دیہاتوں میں تعلیم کے نظام کو بہتر بنایا جائے۔ جہاں اسکول ہیں مگر اساتذہ نہیں۔ وہاں اساتذہ مقرر کئے جائیں اور جہاں اسکول نہیں وہاں اسکول کھولے جائیں۔

۱۱: ملک کے تمام قصبوں اور دیہاتوں میں اسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کی جائیں۔

۱۲: مزارعین اور ہاریوں کی کمیٹیوں کو لیبر ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کیا جائے اور مزارعین کے مقدمات کے فیصلوں کے لئے ہر تحصیل میں علیحدہ لیبر کورٹس بنائی جائیں اور کورٹس کے اختیارات مزارعین اور ہاریوں کو دیئے جائیں۔

۱۳: ملک میں کمر توڑ مہنگائی ختم کی جائے۔

۱۴: ملکی پیداوار کا بیشتر حصہ دیہاتوں کی ترقی کے منصوبوں پر خرچ کیا جائے۔

۱۵: ہاریوں اور مزارعین کے خلاف جھوٹے مقدمات واپس لئے جائیں۔

۱۶: رشوت، اسمگلنگ اور چور بازاری ختم کی جائے۔

۱۷: ہاریوں اور مزارعین کے رہنماؤں کو رہا کیا جائے۔

۱۸: ملک میں سے بیروزگاری کا قلع قمع کیا جائے۔

❀❀

ظالم کے ظلم اور لوٹ کھسوٹ سے کیسے چھٹکارا نصیب ہوگا

امتیاز عالم

آج کے تاریخی حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ پنجاب کی حقیقی، عوامی، محب وطن اور ترقی پسند افراد، عناصر اور قوتیں مل کر ایک ایسا پروگرام ترتیب دیں جو ہماری قومی، جمہوری، عوامی اور ترقی پسند امنگوں اور مقاصد کا بھرپور اظہار کرے اور اس کی تکمیل کیلئے ایک ایسا لائحہ عمل طے کریں جس پر چل کر ان مقاصد اور امنگوں کا حصول ہو سکے۔ اس مقصد کے لئے ۲۳ مارچ ۱۹۷۹ء کو لاہور میں پنجاب بھر کے ترقی پسند وطن دوست، جمہوریت پسند سیاسی کارکنوں، دانشوروں، محنت کشوں اور متوسط طبقے کے لوگوں کی ایک لوک کانفرنس منعقد کی جائے گی جس میں درج ذیل نکات پر غور کیا جائے گا۔

۱: سامراج نے ہماری لوٹ کھسوٹ کس طرح کی ہے اور ہماری تاریخ و ثقافت اور سماجی شناخت کو کیسے برباد کیا ہے؟ ہماری قوم کیوں ترقی نہیں کر سکی۔ آج یہ پسماندگی بھوک، افلاس اور جہالت کا کیوں شکار ہے۔ اپنی تاریخ و ثقافت سے یہ کیوں بیگانہ ہے؟ سامراج سے زندگی کے ہر میدان میں کیسے نجات مل سکتی ہے؟

۲: ہمارے ملک پر اب تک شخصی، نوکرشاہی اور فوجی آمریتوں کا غلبہ کیوں رہا ہے اور ہے، اس غلبے کی جگہ جمہوری نظام کیسے قائم کیا جا سکتا ہے؟ جمہوری جدوجہد میں عوام بار بار بے مثال قربانیوں کے باوجود کیوں کامیاب نہیں ہو سکے؟ عوام کی جمہوری جدوجہد کے صحیح خطوط کیا ہیں کہ عوام کو مکمل جمہوری حقوق و آزادیاں حاصل ہوں اور اقتدار پر ان کی مکمل بالادستی قائم ہو سکے۔

۳: ہمارے محنت کش طبقے اور متوسط طبقے کے لوگ جاگیرداروں، طفیلی سرمایہ داروں اور افسر شاہی کے ہاتھوں جس لوٹ کھسوٹ اور ظلم کا شکار ہیں اس سے کس طرح نجات حاصل ہو سکتی ہے؟ دھرتی کے بیٹے جو دن رات محنت کرتے ہیں، زندگی کی بنیادی سہولتوں سے کیوں محروم ہیں؟ وہ وقت کیسے اور کب آئے گا جب انہیں اس ذلت سے چھٹکارا نصیب ہوگا؟

۴: ملک کے مختلف صوبوں اور اس میں لسنے والی مختلف

قومیتوں کے درمیان نابرابری اور نفرت کیوں ہے؟ چھوٹے صوبوں اور مظلوم قوموں بلوچ، سندھیوں اور ایک حد تک پشتونوں پر قومی ظلم اور استحصال کیوں کیا جاتا ہے۔ اس قومی استحصال اور ظلم کے ذمہ دار پنجابی مہاجر استحصالی لٹیرے، جو پنجاب کے محنت کشوں کا بھی بدترین استحصال کرتے ہیں کے اس قومی جبر اور استحصال کا کیوں کر خاتمہ کیا جا سکتا ہے تاکہ مظلوم پنجاب، عوامی پنجاب اور انقلابی پنجاب۔ دلا بھٹی، شاہ حسین، احمد خاں کھرل، خواجہ فرید، بلھے شاہ، وارث شاہ اور علی داد، عبدالرحمٰن شہید کے پنجاب کو لیٹروں، ظالموں، دلالوں اور نوآبادکاروں کے پنجاب سے علیحدہ کیا جا سکے۔

۵ : پنجاب کے اندر معاشی، سماجی و ثقافتی نابرابری اور ناہمواری کیوں ہے؟ اس کا کیسے خاتمہ کیا جائے اور ایک ایسی قوم وجود میں آئے جو معاشی طور پہ ترقی یافتہ اپنی زبان، ثقافت سے جڑی ہوئی ہو اور جس میں کوئی اندرونی نابرابری نہ ہو۔ مغربی پنجاب کی معاشی، ثقافتی نابرابری کا خاتمہ کیسے کیا جائے۔ پنجاب کی ثقافت اور زبان کے نوبہ نو رنگوں اور بولیوں، سرائیکی، پوٹھواری اور دوآبی کو کس طرح اور کن خطوط پہ ترقی دی جا سکتی ہے؟ کیا یہ ثقافتیں اور بولیاں علیحدہ علیحدہ ہیں یا پسماندگی مخصوص تاریخی حالات اور نابرابری نے ان کے مابین فاصلے پیدا کر دیئے ہیں؟ پانچ دریاؤں کی دھرتی کا قومی تشخص کیسے ابھارا جائے؟ سامراجیوں نے پنجاب کو تقسیم کر کے جو زخم لگایا ہے اس کا ازالہ کیسے ہو؟

۶ : پنجاب کی دھرتی جو روایتی طور پہ ذات پات، فرقہ پرستی اور ملائیت کی تنگ نظری سے پاک صاف تھی جہاں بدھ مت اور سکھ مت پیدا ہوئے اور صوفیائے کرام نے اسلام کے ذریعے بھائی چارے، وسعت نظری اور وسعت قلبی کا پرچار کیا۔ آج کیوں کیوں ملائیت کے ہاتھوں فرقہ پرستی کی آماجگاہ ہے۔ اس فرقہ پرستی سے کیسے جان چھوٹ سکتی ہے؟ اقلیتوں کو برابری اور بھائی چارے کے حالات کیسے میسر آ سکتے ہیں؟

۷ : ہماری عورتیں پدر شاہانہ غلامی، سرمایہ دارانہ استحصال کے شکنجوں میں جکڑی ہوئی ہیں انہیں عضو معطل، باندی اور عیاشی کا کھلونا کیوں بنا دیا گیا ہے وہ سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی سے کیوں کٹی ہوئی ہیں انہیں مردوں کے شانہ بشانہ کس طرح ایک آزاد، فعال قوت بنایا جا سکتا ہے؟

پنجاب لوک کانفرنس میں لہندے، پوٹھوار اور وسطی پنجاب سے مختلف جمہوری طبقوں اور شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ محنت کش کسان، دانشور، شاعر، ادیب، فنکار، سیاسی و سماجی کارکن شریک ہوں گے تاکہ ایک ایسا قومی، جمہوری، عوامی اور انقلابی پروگرام ترتیب دیا جا سکے جو ہماری دھرتی سے جڑا ہوا ہو۔ عوام کی امنگوں کا سچا مظہر ہو۔ اور ہمہ گیر نجات کا راستہ دکھاتا ہو۔ اس پروگرام پر عملدرآمد کے لئے ایک ایسی تنظیم کی تشکیل کی جائے گی جو اس پروگرام کی تکمیل کے لئے وسیع تر عوام اور ترقی پسند قوتوں کو متحرک و منظم کر سکے تاکہ عوام دوست، وطن دوست، جمہوری اور ترقی پسند سیاست و ثقافت کو فروغ دیا جا سکے اور عوام کے جمہوری و قومی حقوق اور معاشی و سماجی انصاف کیلئے ہمہ گیر جدوجہد کی جا سکے۔ اس ضمن میں پنجاب لوک کانفرنس کی تیاریاں شروع کر دی گئی ہیں اور مختلف اضلاع میں لوک کانفرنس کمیٹیاں تشکیل دی جائیں گی تاکہ کانفرنس کو نمائندہ اور کامیاب بنایا جا سکے۔ ہم تمام ترقی پسند، وطن دوست اور عوام دوست حلقوں سے اپیل کرتے ہیں کہ کانفرنس کو کامیاب بنائیں۔ ٭

حسین نقی جام ساقی اور دوسرے سیاسی قیدیوں کو رہا کرو

موجودہ غیر منتخب حکومت کی جلد چھٹی کر دی جائے

نیشنل پراگریسو پارٹی کا اجلاس

ژوب نیشنل پروگریسو پارٹی کا اجلاس بلوچستان نیشنل پروگریسو پارٹی کے رہنما میرا خان مندوخیل کی صدارت میں ہوا اجلاس سے میرا خان مندوخیل نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سامراجیت سے برسرِ پیکار عوامی تحریکیں کامیابی سے ہمکنار ہو رہی ہیں جن کی مثالیں افغانستان کی تاریخ ساز قومی جمہوری انقلاب اور ایران میں عوامی جدوجہد میں حالیہ چند برسوں میں ایشیا کے اور افریقہ کے مختلف ممالک میں مزدوروں کا راج قائم ہو چکا ہے اور یہ ممالک سوشلسٹ ممالک میں شامل ہو چکے ہیں۔ مثلاً ویت نام جنوبی یمن، موزمبیق، لاؤس انگولا کمبوڈیا اور افغانستان اسی طرح لاطینی امریکہ میں ایتھوپیا اور کیوبا بھی سامراج سے نجات حاصل کر چکے ہیں انہوں نے ملکی حالات کے بارے میں کہا کہ اس بدنصیب ملک میں ابتداء ہی سے سامراج نے اپنے پنجے گاڑ دیئے ہیں جب یہ ملک معرض وجود میں آیا تو حکمران مسلم لیگی ٹولے نے استحصالی طبقوں سے مل کر عالمی سامراج سے اپنا ناطہ جوڑ لیا اور سامراج دشمن قوتوں سے برسرِ پیکار رہے تاکہ اپنے اور اپنے سامراجی آقاؤں کے مفادات کا تحفظ کر سکے انہوں نے کہا کہ انقلاب برپا کرنے کے لیے رجعت پسند اور بورژوا پارٹیاں قابل عمل نہیں ہیں اس کے لئے نیشنل پروگریسو جیسا پلیٹ فارم ہونا چاہیئے جن کی سامراج دشمنی اور انقلابی طرز فکر واضح ہے اور مظلوم طبقوں کی نمائندہ جماعت ہے انہوں نے کہا کہ اب اس وقت نہ تو اسلام خطرے میں ہے نہ پاکستان خطرے میں ہے بلکہ پاکستان کے پانچ فیصد جاگیردار سرمایہ دار اور نوکر شاہی ضرور خطرے میں ہے اسی طرح مذہب کا نام استعمال کرنے والی قوتوں کے مفادات بھی خطرے میں ہیں جو دنیا میں فرد پر فرد اور قوم پر قوم کے ظلم کو روا رکھتے ہیں سابقہ قومی اتحاد ان کے طبقاتی کردار اور گٹھ جوڑ کا آئینہ دار ہے لہذا معلوم ہوا کہ یہ پانچ فیصد لوگ ۹۵ فیصد لوگوں پر مختلف طریقوں سے حکومت کرنا چاہتے ہیں اب پاکستان کے محنت کش باشعور ہو چکے ہیں لہذا وہ اس نظام کو ڈھائے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے اور ہمیں یقین ہے کہ عوام اپنا راج قائم کر کے رہیں گے اس کے بعد عبدالسلام دولت زئی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس ملک میں ۳۲ سالہ جبر تشدد کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے سامراج نے ہر وہ حربہ آزمایا ہے دنیا کے مختلف سامراج دشمن انقلابوں کے بعد پاکستان کے عوام اور محنت کش طبقات سمجھ چکے ہیں کہ ایک غیر طبقاتی انقلاب لائے بغیر امن خوشحالی قائم نہیں ہو سکتی عبدالقدوس شاہیزئی نے کہا کہ موجودہ حکومت صرف ۹۰ دن کے اندر اندر انتخابات کے وعدے پر آئی تھی مگر اب ڈیڑھ سال گذر گیا لیکن انتخابات کا وعدہ پورا نہ کر سکی احتساب کا ڈھونگ رچایا گیا اور سب سے بڑا جرم آئین کو مکمل طور پر سبوتاژ کر کے کیا ہے لہذا جلد سے جلد انتخابات کرائے جائیں تاکہ منتخب شدہ اسمبلی ایک نیا آئین مرتب کرے

جس میں چار قومیتوں کے حقوق مکمل صوبائی خود مختیاری سیکولر طرز حکومت قائم ہو سکے

گل خان بابر نے بھی خطاب کیا انہوں نے کہا کہ چور دروازے سے داخل ہونے والے نام نہاد سول حکومت کو جلد برطرف کیا جائے کیونکہ یہ لوگ عوام کے نمائندے نہیں ہیں اس لیے آئندہ عام انتخابات تک انہیں چھٹی کرنی چاہیئے بعد میں تمام ساتھیوں نے پارٹی کے مرکزی صدر جناب ڈاکٹر اعزاز نذیر کو بلوچستان آنے کی دعوت دی اجلاس کے آخر میں مندرجہ افراد نے پارٹی میں شمولیت کا اعلان کیا مولا سردار خان، غلام نبی خان، ساون خان، عبدالرحیم کاکڑ اور گل محمد پارٹی کے ورکروں نے انہیں پارٹی میں شمولیت پر خوش آمدید کیا۔

آخر میں پارٹی نے متفقہ طور پر مندرجہ ذیل قرار دادیں منظور کیں نام نہاد مالاکنڈ سازشی کیس کو فوری طور پر ختم کیا جائے افراسیاب خٹک اور ان ساتھیوں کو رہا کیا جائے کسانوں اور مزدوروں کے رہنما جام ساقی کو رہا کیا جائے نیشنل پروگریسو پارٹی کے جنرل سیکرٹری زبیر رحمان اور ان کے ساتھیوں کو رہا کیا جائے امان اللہ بازی اورنگزیب محمد خان مینگل اور تمام سیاسی قیدیوں صحافیوں حسین نقی اور ثمر عباس کو رہا کیا جائے

ملک میں انتخابات کا جلد اعلان کیا جائے چور دروازے سے داخل ہونے والے نام نہاد کابینہ کو برطرف کیا جائے ملک کو تمام سامراجی معاہدوں سے علیحدہ کیا جائے اور غیر جانبدارانہ پالیسی اختیار کی جائے اور سامراجی قرضے ضبط کیے جائیں اور سوشلسٹ ممالک سے تعلقات استوار کیے جائیں ملک میں کوڑوں کی سزا مزدوروں کی چھانٹیاں اور کسانوں کی بے دخلیاں بند کی جائیں

اخبارات، جرائد اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے افغانستان کے خلاف من گھڑت اور زہریلا پروپیگنڈہ بند کیا جائے جماعت اسلامی کے نام نہاد اخوان المسلمین کی پذیرائی نہ کی جائے اور ان کی ہر ممکن حوصلہ شکنی کی جائے۔

**

ہاریوں کو گندم کی بجائے گالیاں اور دھکے ملے

شہداد پور * نشاط مالدی!

پٹواریوں کے ڈیرے رو ڈیرو کے آنس پر لوگ کا ایک ہجوم ہے جن میں بچے اور مردوں کے علاوہ کافی تعداد عورتوں کی بھی ہے ان کے جسم پر پھٹے پرانے کپڑے دیکھتے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ غریب دیہاتی ہیں اور زمین کا سینہ چیرنے والے یہ مظلوم ہاری ہیں۔ جنہیں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ "حکومت نے ان کے لئے گندم بھیجی ہے وہ آکر لے جائیں"۔ تبھی یہ لوگ بڑی تعداد میں آج صبح سویرے سب کام چھوڑ کر حاضری یہاں دیتے ہیں۔ بھیڑ میں سے ایک موٹے جسم کے ناٹک پٹہ والے نے صدا لگائی ہے! لائین بنا کر کھڑے ہو جاؤ ابھی تم کو گندم ملتی ہے۔ بھیڑ میں سے غریب مرد اور عورتیں اس کمرے کی طرف لپکتے ہیں جہاں گندم رکھی ہوئی ہے لیکن تالہ پڑا ہوا ہے۔ یہ لوگ اس کمرے کے قریب قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں

لائن میں کھڑے ہوئے انسانوں کی نظریں اس تالے کی طرف ہیں جس کے اندر ان کے پیٹ کی آگ بجھانے والے دانے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ "یہ دانے خود انہوں نے ہی اپنے خون پسینے سے پیدا کئے ہیں" لیکن آج ان ہی سے یہ دور ہیں۔

وقت گزرتا جا رہا ہے اور بھیڑ بڑھتی جا رہی ہے۔ دس گیارہ، بارہ.... ابھی تک ان لوگوں میں گندم تقسیم نہیں ہوئی، البتہ ایک جانب سے کچھ لوگوں کو بوریوں میں گندم بھر کے دی جا رہی ہے جن کا رخ دکانوں کی جانب ہے۔ لائین میں کھڑی ہوئی عورتیں چلاتی ہیں" ارے یہ گندم تو چپراسی اٹھا کے جا رہے ہیں" بیچنے کو! ارے خدا کے بندو ہمیں گندم دو، دیکھو ہم کتنی دیر سے کھڑے ہیں"۔ لائین میں کچھ مرد بھی شور مچاتے ہیں۔ شور گالیوں اور بددعاؤں میں تبدیل ہو جاتا ہے

دو پٹہ والے اور کچھ پٹواری لائن کی طرف بھاگتے ہیں اور لائن میں کھڑے زیادہ شور مچانے والوں میں سے کئی افراد کو گھسیٹتے ایک جانب لے جا کر ایک ایک کو پانچ سے دس سیر تک گندم دے کر بھگا دیتے ہیں۔ لائن میں کھڑے ہوئے دوسرے لوگ جب اس ناانصافی کے خلاف آوازیں نکالتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے "گندم ختم ہو گئی"! اب چلے جاؤ، لوگ اور عورتیں شور مچاتے ہیں۔ اتنے میں ایک دو سپاہی لاٹھیوں سمیت نمودار ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دھکے دے کر باہر نکال دیتے ہیں اور غریب لوگ خون کے آنسو پیتے ہوئے "خالی ہاتھوں" اپنے گھروں کی جانب چل دیتے ہیں۔

یہ تھا ایک ڈرامہ جو شہداد پور کے پٹواریوں والے ڈیرے میں غریب دیہاتیوں سے کھیلا گیا۔ قصہ یوں ہے کہ حکومت سندھ نے امدادی کارروائیوں کے سلسلے میں گندم کی بوریاں منظور کی تھیں۔ شاہ پور چاکر، سرہاری، لنڈو اور تحصیل شہداد پور اور کئی اور مراکز میں ایسے ڈرامے ہو جانے کے بعد گزشتہ ہفتے تحصیل شہداد پور کے گاؤں رانجھو تالپور کبو بھگت، گوٹھ مہر علی تالپور اور کئی دوسرے گوٹھوں کے لوگوں کو اطلاع دی گئی تھی کہ ان کے لئے گندم آئی ہے وہ آکر لے جائیں اجولاً

ہونا یہ تھا کہ ان دیہاتوں میں جا کر سرکاری کارندے خود گندم تقسیم کرتے لیکن گندم ہضم کرنے کے چکر میں یہ سوچا گیا کہ لوگ اتنی دور سے نہیں پہنچ پائیں گے اور یوں گندم بچ جائے گی لیکن مصیبت کے مارے عوام گندم ملنے کی امید پر کئی میل پیدل چل کر بھی صبح سویرے شہباد پور کے امدادی مرکز میں پہنچ گئے۔ وہاں پر ان لوگوں کو گندم تو کیا ملتی الٹا پولیس اور پٹواریوں کی طرف سے دھکے اور گالیاں ملیں۔ صرف کاغذات کی خانہ پری کرنے اور مخصوص لوگوں کو گندم دینے کے بعد صبح سے دوپہر تک لوگوں کو کھڑا رہنے پر مجبور کر کے آخر کار انہیں بغیر امداد دیئے بھگا دیا گیا۔ عینی شاہدین کا بیان ہے کہ کئی سو بوریاں ہضم کر لی گئیں اور ان کے سامنے چپراسی گندم لے جا رہے تھے۔ یہاں کے غریب عوام اس کھلم کھلا دھاندلی پر حیران ہیں کہ آخر ان کا حق کس بل بوتے پر ہضم کیا گیا اور انہیں عورتوں اور بچوں سمیت کیوں رسوا کیا گیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ "امدادی گندم" خود ہضم کر جانے والوں سے کون پوچھے کہ غریب عوام کا حق کیوں مارا گیا؟ *

گیارہ سال کے بچے اور ستر سالہ بوڑھے پوچھتے ہیں

ہمیں کوڑے مارنے کے عمل کا نام ظلم نہیں تو کیا ہے

مردان

خان غواث صادق

نائب صدر گورنمنٹ کالج مردان

گذشتہ دنوں ٹی وی اور ریڈیو پر بھٹو کے دورِ حکومت کی ظلم کی نام نہاد داستانیں پیش کی گئیں۔ لیکن میں ان "مظلوموں" سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہ آپ لوگوں نے تو ظلم دیکھا ہے۔ پھر آپ لوگ ظلم کیوں کرنے لگے۔ اگر میں بات یہیں پر ختم کر دوں تو ان کے کرائے کے مظلوم اور آج کے فرعون پوچھیں گے کہ ہم نے کون سا ظلم کیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بتانا ضروری ہو گیا ہے کہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہونے والے ظلم بیان کروں۔

۲۳ مارچ ۱۹۷۸ء بروز جمعرات آج کے "مظلوموں" نے ہمیں اپنے گاؤں چارگلی تحصیل و ضلع مردان سے اس الزام کے تحت گرفتار کیا۔ کہ ہم نے بھٹو کی حمایت اور آج کے مظلوموں کے سردار کے خلاف جلوس نکالا ہے۔

گرفتار ہونے والوں میں گیارہ سال کے بچے اور ۷۰ سال کے بوڑھے شامل تھے۔ ان لوگوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ ان گیارہ سال کے بچوں کو گرفتار کر کے ہم کیا کریں گے۔ لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ ان کے سامنے بچے اور بوڑھے میں کوئی فرق نہیں۔ خیر ہمیں گرفتار کر کے شہباز گڑھی کے تھانے لے جایا گیا۔ وہاں دوسرے ساتھیوں کو تو دھکے دے کر حوالات میں بند کر دیا گیا۔ لیکن مجھے ان ظالموں نے تقریباً پانچ گھنٹے اپنے ساتھیوں سے علیحدہ رکھ کر دنیا بھر کی باتیں سنائیں گالیاں دیں اور تشدد کیا۔

اس کے بعد بوڑھوں کو علیحدہ کر کے مردان کے حوالات پہنچایا گیا۔ کم عمر اور چھوٹے بچوں کو دوسرے حوالات اے ڈویژن لے جایا گیا۔ میں بھی ان بچوں کی صف میں شامل تھا۔ اگرچہ میری عمر ۱۹ سال تھی۔ مجھ سمیت بیالیس افراد کو ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کر دیا۔ کمرے میں ہم صرف بیٹھ سکتے تھے لیٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ آدھے کمرے کو پیشاب سے گندہ کر دیا گیا تھا۔

حوالات میں نہ تو ہمیں کمبل دیا گیا نہ ہی کھانے کو کچھ دیا۔ اسی طرح یہ سرد رات ہم نے بیٹھے بیٹھے گزار دی۔ ان مظلوموں کے اس ظلم کو تو شاید ہم برداشت کر لیتے، لیکن اس وقت ہم شدید نفرت محسوس کرتے جب باہر سے گزرتا ہوا کوئی سنتری گندی زبان میں ہمیں آرڈر دیتا۔ "باتیں نہ کرو۔ ایس ایچ او صاحب جاگ گئے تو پھر تمہاری خیر نہیں"۔

صبح سویرے انہوں نے ہمیں ناشتہ دیئے بغیر بھیڑ بکریوں کی طرح ٹرک میں بھر کر مارشل لاء عدالت میں پیش کیا۔ اس دن جمعہ تھا لیکن ان لوگوں نے ہمیں جمعہ کی نماز ادا کرنے کی بھی اجازت نہیں دی۔ یہ اجازت ان لوگوں نے نہ دی جو نظام مصطفےٰ نافذ کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ میں اسلام کے ان نام نہاد علمبرداروں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک قیدی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ دینا کون سا اسلام کا اصول ہے۔

عدالت میں پیشی کے بعد ہمارے بڑے بوڑھوں کو تو لاری میں بھر کر ہری پور جیل بھیج دیا گیا اور ہمیں سزا سنائے بغیر مردان جیل پہنچا دیا گیا۔

مردان جیل میں پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ ہمارے اٹھارہ ساتھیوں کی قسمت میں کوڑے اور تین ماہ قید لکھا ہوا ہے۔ ہمارے ان ساتھیوں میں میرے علاوہ اکثریت کا تعلق زراعت سے تھا اور ہر کوئی جانتا ہے کہ وڈیروں کے چرسے ہوئے ہاری اور کسان کوڑوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس کے باوجود ہمیں کوڑوں کی سزا کا حکم دیا گیا۔ ساتھ ہی ہماری ملاقات پر بھی پابندی لگا دی گئی۔

ہمارا میڈیکل کیا گیا اور ظلم کی انتہا کرتے ہوئے سوائے ایک ساتھی کے باقی سب کو فٹ قرار دیا گیا۔ اس کے بعد کوڑے لگانے والے کو پشاور سے لایا گیا۔ وہ روزانہ کوڑے لگانے کے بعد ہمیں بتایا کرتا تھا کہ فلاں جگہ کوڑے لگاتے ہوئے فلاں شخص بے ہوش ہو گیا اور فلاں آدمی زخمی ہو گیا۔ یہ ہمیں دہشت زدہ کرنے کا انتہائی گھٹیا حربہ تھا۔

تین دن تک ہر روز ٹکٹکی لگائی جاتی۔ کوڑے لگانے والا کپڑے اتار کے مالش کیا کرتا تھا اور اسی طرح ہمارے سامنے قوت کا مظاہرہ کر کے ہم لوگوں کو تکلیف دیا کرتا تھا۔ تیسرے دن مردان جیل میں ہمیں کوڑے لگائے گئے۔ کوڑے اس وقت شروع ہوئے جس وقت بارش کی بوندیں انسانی جسم پر عجیب سا تاثر پیدا کرتی تھیں۔ اس بارش میں بے رحمی سے کوڑے لگانے کے بعد حکم دیا گیا کہ اب ہمیں ہری پور جیل لے جایا جائے گا۔ کوڑوں کے بعد ہمیں بیٹھنا بھی مشکل ہو رہا تھا اس کے باوجود ہمیں پولیس بس کے تختوں پر بٹھا کر ہری پور جیل پہنچایا گیا۔ رات ہمیں روٹی بھی نہیں دی گئی۔ باوجود اس کے کہ ہم نے صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا ہمیں بھوکا رکھا گیا۔

میں ان نام نہاد مظلوموں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے دور میں اس ظلم کی انتہا کو کیا نام دیا جائے، گیارہ سال کے بچوں کے ساتھ ایسا سلوک تو کبھی نہیں کیا گیا تھا۔ ایسے مظالم کے بعد آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مظلوم ہیں —؟ ●

علاقہ پرستی کی انتہا یہ ہے کہ....

کھوسکی شوگر ملز کے معاملات کی تحقیقات کرائی جائے

ضلع بدین سے تقریباً ۱۶ میل کے فاصلے پر فوجی شوگر مل کھوسکی اپنے اندر بہت ساری داستانیں چھپائے کھڑی ہے۔ اس شوگر ملز کی منظوری ایوب خان کے دورِ حکومت میں دی گئی۔ مگر لائسنس کسے دیا جائے، پر اعتراضات ہوئے۔ ایوب کے آخری ایام تھے، کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس مل کا لائسنس یحییٰ خان نے اپنے ایک قریبی دوست انعام الرحمان کو دیا۔ یحییٰ خاں بہ نفسِ نفیس خود سنگ بنیاد رکھنے چلے آئے۔ اس وقت شوگر مل "رحمانیہ" کہلاتی تھی، مگر بھٹو صاحب کے دورِ حکومت میں اس مل کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا اور فوجی فاؤنڈیشن کے سپرد کر دیا گیا۔ سننے میں تو یہ آیا ہے کہ مسٹر بھٹو اور مل مالک انعام الرحمٰن کی آپس میں کچھ پرانی سیاسی دشمنی تھی جس کی وجہ سے بھٹو نے ایسا کیا، جیسا بھی ہو، مگر اب ایک فوجی فاؤنڈیشن ہے اور فوجی شوگر مل کھوسکی کہلاتی ہے۔

جب سے یہ مل بننی شروع ہوئی اور بعد ازاں تیار ہوئی۔ اس وقت سے سندھی مزدوروں سے ظالمانہ سلوک ہوتا رہا ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیئے اور شاید ایسا ہے بھی کہ جس جگہ کوئی نئی مل وغیرہ لگتی ہے، تو اس میں مقامی لوگوں کو روزگار میں اولیت دی جاتی ہے مگر کیا کیا جائے تعصب پرستی اور صوبہ پرستی کی وجہ سے سندھی مزدوروں سے ناانصافیاں ہو رہی ہیں۔

فوجی شوگر مل کھوسکی میں ہمیشہ باہر سے جنرل مینجر آتا ہے اور اقربا نوازی کا پچھلا ریکارڈ توڑتا ہے۔ اگر مقامی مزدور احتجاج کرتے ہیں تو ان کو جیلوں اور نوکریوں سے خارج کرنے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اور ان کو خاموش کر دیا جاتا ہے۔ ویسے بھی مل میں ان دنوں چیف انجنیئر اور ڈپٹی جنرل مینجر کی حکومت ہے، جو وہ چاہیں گے ویسا ہی ہوگا۔ مل کے کرتا دھرتا یہی ہیں۔ گذشتہ سیزن کے دوران دونوں بڑے صاحبوں نے اپنے علاقے کے لوگوں کو منگوا کر بھرتی کروائی اور اچھی پوسٹیں دی گئیں۔ ان صاحب کی اس حرکت پر کسی نے بھی زبان نہ کھولی، کھولے بھی تو کیسے۔ کھلی چھٹی تھی۔ وہاں کے مقامی لوگ نوکریوں کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں، کوئی پرسانِ حال نہیں۔

حد تو یہ ہے کہ مل میں کام کرنے والے بارہ سو مزدوروں (آفیسرز شامل نہیں ہیں) میں سے تین سو سے کم مقامی مزدور ہیں۔ ان تین سو میں سے دو سو کے قریب سیزنل، ڈیلی ویجز پہ کام کرتے ہیں۔ اور باقی سب کو باہر سے درآمد کر کے رکھا گیا ہے۔ جب ان زیادتیوں کے بارے میں مل انتظامیہ سے شکایت کی جاتی ہے، تو کہتے ہیں کہ یہاں ہمارا حکم چلے گا۔ ایسا لگتا ہے کہ سندھ شاید پاکستان میں نہیں ہے اور سندھی پاکستانی نہیں ہیں، سندھیوں کو خواہ مخواہ احساسِ محرومی کا شکار کیا جا رہا ہے۔ اس کے نتائج کیا ہوں گے وہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

سندھی مزدور جب سے مل تیار ہوئی ہے۔ اس وقت سے کچھ آسامیوں پر کام کر رہے ہیں مگر ان کو مستقل نہیں کیا جا رہا ہے، جب کوئی مقامی مزدور انفرادی طور پہ کوشش کرتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ جگہ خالی نہیں ہے جب کہ اس دوران نئے نئے چہرے مل میں نظر آتے ہیں اور وہ مستقل آسامیوں پہ کام کرتے ہیں۔ جب ان کی وجوہات معلوم کی جائیں تو جواب میں کہتے ہیں کہ فلاں افسر کی سفارش تھی۔ اب مقامی مزدور بھلا کہاں سے سفارش لاتے، خاص طور پہ ٹیکنیکل اسٹاف میں مقامی لوگوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، حالانکہ ہونا تو ایسا چاہیئے کہ جو تجربہ کار ہیں، سینیئر ہیں ان کو اہلیت کی بنیاد پر رکھیں مگر اس پہ عمل نہیں ہوتا۔

علاقہ پرستی کی انتہا یہ ہے، بہ ہم سے ۵۰ فی صد مقامی لوگوں کو نکال دیا گیا اور ان کی برطرفی کی کوئی وجہ بھی بتائی نہیں گئی۔ جب اور مقامی مزدوروں نے احتجاج کیا تو اس پہ مل انتظامیہ نے ایک شاطرانہ چال چلی اور نکالے گئے ۵۰ میں سے صرف ۲۰ مزدوروں کو واپس لے لیا۔ مل انتظامیہ چاہتی ہے کہ کسی طرح مقامی مزدوروں میں نفاق کا بیج بویا جائے اور تضاد پیدا کیا جائے۔ اسی حکمتِ عملی پہ عمل کرتے ہوئے باقی مزدوروں کو آسرا دیا جا رہا ہے۔ بے روزگار مزدور اقتصادی بدحالی اور کسمپرسی کے شاہکار بن گئے ہیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو فاقہ کشی پہ مجبور کر دیا گیا ہے۔

فوجی شوگر ملز کھوسکی کے مقامی مزدور احتجاج کرتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان مظالم کی تحقیقات کی جائے اور مقامی مزدوروں سے تعصب برتنے والوں کا نوٹس لیا جائے، جن مزدوروں کو بیروزگار کیا گیا ہے ان کو واپس لیا جائے تجربہ کار اور پرانے مزدوروں کو ترقی دی جائے۔ تعصب پرستی اور صوبہ پرستی کی لعنت کو ختم کیا جائے۔ ٹیکنیکل آسامیوں پہ بھی مقامی لوگوں کو لیا جائے۔ تمام مزدوروں کو سہولتیں دی جائیں تمام مزدوروں سے انصاف کیا جائے۔ چھوٹے آبادکاروں کے مسائل ختم کئے جائیں۔

●

تھرپارکر * عبدالمناف قائم خانی

جماعت اسلامی کی سرگرمیاں اور قیوم شاہد کی سیاسی شکست

صوبے بھر میں سیمنٹ ایجنسیوں کی منسوخی کے بعد وزیر پیداوار اور "جماعت صالحین" کے رہنما پروفیسر عبدالغفور کی وزارت نے جماعت اسلامی کے علاقائی ناظمین سے ایسے افراد کی فہرستیں طلب کی ہیں جو کہ جماعتی کارکن ہوں تاکہ نئے سرے سے "سیمنٹ ڈپو" جماعت کے اراکین کو الاٹ کئے جائیں۔ اس سلسلے میں تھرپارکر کے تعلقہ امیروں کے نام خفیہ خطوں میں درخواست کی گئی ہے کہ وہ پارٹی کے ایسے مخلص اور وفادار افراد کے نام دیں جو کہ آنے والے وقت میں پارٹی کے لئے مالی سہارا بن سکیں۔ دوسری جانب اسی جماعت کے کارکنوں نے غیر آباد سرکاری پلاٹوں پر جبراً قبضہ جمانا شروع کر دیا ہے اور

باقی صفحہ ۵۰ پر

سماجی انقلاب کے بعد بھی
نظریاتی انقلاب جاری رہنا چاہیے

مضافات میں تکنیکی ثقافتی اور نظریاتی انقلاب

سوشلزم کی وسیع پیمانے پر تشکیل اور کمیونزم کی طرف بتدریج منتقلی کی تیاری کے لئے انقلاب کا جاری رہنا ضروری ہے۔ یہ اہم حقیقت کہ استحصالی طبقہ ناپید ہو جانے اور سوشلسٹ ہیئت کی تکمیل کے بعد بھی شہر اور ملک کے مابین امتیاز باقی رہتا ہے اور محنت کش اور کاشتکار کے درمیان طبقاتی تفریق موجود رہتی ہے ظاہر کرتی ہے کہ انقلاب کو آگے بڑھایا جائے اور خاص طور پر دیہاتوں میں مکمل طور پر انقلاب لایا جائے۔ اس بنا پر انقلاب کو روک دیا جائے کہ سوشلسٹ اشتمالیت کا مقصد حاصل ہو گیا ہے، تو اس سے جمہوری اور سوشلسٹ انقلابوں کے مدارج میں کاشتکاروں میں بڑھنے والا جذبہ نہ باقی رکھا جا سکتا ہے نہ اسے مزید بلندی پر لے جایا جا سکتا ہے۔ مضافات میں انقلاب کو جاری رکھے بغیر سوشلسٹ طریقہ زراعت کو یکجا کر کے اسے ترقی نہیں دی جا سکتی۔ نہ اس کے فوائد ظاہر کئے جا سکتے ہیں اور نہ ہی شہروں اور ملک کے مابین امتیازات کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

فنی، ثقافتی اور نظریاتی انقلابات مرکزی انقلابی کام ہیں جنہیں سوشلسٹ اشتمالیت کے بعد دیہی علاقوں میں جاری رکھنا بے حد ضروری ہے۔

کاشتکار دیہاتوں کی شہروں کے پیچھے آہستہ روی اظہار کا ذریعہ پاتی ہے سب سے پہلے اس حقیقت میں کہ زراعت کے پاس صنعت کے مقابلے میں کمزور مادی اور فنی بنیاد ہوتی ہے۔ دیہی باشندوں کا ثقافتی معیار شہر میں رہنے والوں سے کمتر ہوتا ہے۔ نظریاتی شعور رکھنے میں کاشتکار ورکروں سے پیچھے ہیں۔ یہ بتانا فضول ہے کہ کمی کا یہ احساس پرانے سماج کا من گھڑت ہے اور یہ کہنا کہ یہ سوشلزم کے تحت بھی قائم رہتی ہے، اس بات کا تعلق اصولی طور پر صنعتی اور شہروں کی ترقی کی سطح سے ہے۔ مختصراً، اس غیر ترقی یافتہ صورت کے باعث، اجتماعی ملکیت

دیہاتوں اور شہروں کے مابین ثقافتی امتیاز کو ختم کرنا انقلابی ذمہ داری ہے

زراعت پر حاوی شکل میں رہتی ہے اور یہ صنعت کے معاملے سے مختلف ہے جہاں سب لوگوں کی ملکیت حاوی رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محنت کش طبقے اور کاشت کار طبقے کے مابین امتیاز برقرار رہتا ہے۔

لہٰذا سوشلسٹ طریقۂ زراعت کو اکائی کی شکل اور ترقی دینے اور شہروں اور ملک کے مابین امتیاز اور محنت کش طبقے اور کاشتکاروں کے درمیان تفریق کو ختم کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مضافات میں تین انقلابوں کو بروئے کار لایا جائے ۔ فنی، ثقافتی اور نظریاتی ۔ اور سوشلسٹ صنعت اور شہروں میں تیز رفتار ترقی کی بنیاد پر ان تین مرحلوں میں مضافات کی غیر ترقی یافتہ شکل کو ختم کیا جائے ۔

مضافات میں فنی، ثقافتی اور نظریاتی انقلابوں کے کام ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور انہیں یکجہتی کے طریقۂ کار سے انجام دینا ہے۔

ان میں نظریاتی انقلاب سب سے اہم اور سب سے مشکل انقلابی کام ہے جسے دوسرے تمام کاموں پر فوقیت دینا ہوگی ۔ صرف فنی اور ثقافتی انقلابوں پر ہی تمام تر زور دینا اور نظریاتی انقلاب کو نظر انداز کر دینا ایک سنگین غلطی ہوگی۔

سوشلزم میں بھی طبقاتی کشمکش جاری رہتی ہے۔ مضافات میں یہ باہر سے مداخلت کرنے والے دشمن عناصر اور اقتدار سے محروم استحصالی طبقوں کے باقی ماندہ افراد کی تخریبی سازشوں کے خلاف جدوجہد کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے نیز کاشتکاروں کے ذہنوں میں باقی رہ جانے والے فرسودہ خیالات کے خلاف نظریاتی جنگ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جب تک کاشتکاروں میں طبقاتی شعور اجاگر نہ کیا جائے گا اور ان میں نظریاتی جدوجہد تیز تر نہ کی جائے گی، مضافات میں سوشلسٹ سسٹم مستحکم نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس سسٹم کو دشمنوں کی چیرہ دستی سے تحفظ دیا جا سکتا ہے۔

سوشلزم کے فوائد اور اس کی ضرورت سب سے زیادہ اس بات میں ہے کہ اس سسٹم کے تحت استحصال اور بالادستی سے نجات پانے والے محنت کش آپس میں مضبوطی سے متحد ہو جاتے ہیں۔ ایک ساتھی کے طور پر ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اور مشترکہ مقصد اور مفادات کے تحت رضاکارانہ طور پر اور جذبے سے کام کرتے ہیں۔ کاشتکاروں میں نظریاتی شعور کی سطح بلند کئے بغیر مضافات میں سوشلزم کے ان اصل مفادات کا مظاہرہ نہیں کیا جا سکتا اور نتیجتاً، نہ ہی زرعی پیداوار اور ٹیکنالوجی یا دیہی ثقافت تیزی سے بڑھ سکتی ہے ۔

کاشتکاروں میں نظریاتی شعور کی تشکیل نو سوشلسٹ سسٹم کے نفاذ اور ان کی بود و باش میں ترقی کے باعث از خود پیدا نہیں ہو جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سوشلسٹ سسٹم کی کامیابی کے ساتھ وہ اقتصادی بنیاد جو فرسودہ خیالات کو جنم دیتی ہے نیست و نابود ہو جاتی ہے اور کاشتکاروں کو نئے نظریات سے لیس کرنے والے سماجی اور مادی حالات پیدا ہو جاتے ہیں لیکن سوشلزم میں بھی فرسودہ نظریات خصوصاً چھوٹے چھوٹے ذاتی ملکیت کے میلانات کاشتکاروں کے ذہنوں میں ایک عرصے تک باقی رہتے ہیں اور جب نظریاتی کام میں سست رفتاری پیدا ہو جائے تو یہ سر بھی اٹھا سکتے ہیں بلکہ مزید بگڑ بھی سکتے ہیں۔ کاشتکاروں کا نظریاتی شعور صرف طویل المیعاد تحفظ بخش تربیت اور مسلسل جدوجہد کے ذریعے ہی مکمل طور پر از سر نو تشکیل دیا جا سکتا ہے۔

نظریاتی انقلاب کے بنیادی اہمیت رکھنے کا کسی طور یہ مطلب نہیں ہے کہ فنی اور ثقافتی انقلابوں کو نظر انداز کر دیا جائے ۔

سوشلزم اور کمیونزم پیداواری طاقتوں کی ترقی کی ایک بہت بلند سطح اور محنت کشوں کی ایک بلند ثقافتی سطح کے متقاضی ہیں۔ آخری تجزیئے کے طور پر، سوشلزم اور

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

محنت کشوں اور کاشتکاروں میں ثقافتی شعور پیدا کیا جائے

* * * * * * * * * * * * * * * * *

کمیونزم کی تشکیل کا مقصد سب کے سب لوگوں کے لئے ایک خوشحال زندگی کی ضمانت دینا اور ان کی بڑھتی ہوئی مادی اور ثقافتی ضروریات کو زیادہ سے زیادہ پورا کرنا ہے۔

جب تک مضافات میں فنی اور ثقافتی انقلابات برپا نہیں کئے جاتے نہ زرعی پیداواری طاقتوں کی ترقی ہو سکتی ہے نہ کاشتکاروں کی مادی اور ثقافتی زندگی بہتر ہو سکتی ہے اور نہ کاشتکاروں کو محنت و مشقت سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔ مضافاتی اقتصادیات کی مادی اور فنی بنیاد اور کاشتکاروں کی ثقافتی سطح کی بلندی کو پائیدار بنانا بھی ان کے نظریاتی شعور کی از سر نو تشکیل کی اہم ضروریات ہیں۔ بہ ایں ہمہ صرف نظریاتی انقلاب پر زور دیتے ہوئے فنی اور ثقافتی انقلابات کو نظر انداز کر دینا غلطی ہوگی۔

نظریاتی انقلاب کو یقیناً ترجیح دیتے ہوئے ہمیں ساتھ ہی فنی اور ثقافتی انقلابات کو بھرپور طاقت سے نمایاں کرنا ہوگا اس طرح ہمیں کاشتکاروں کی سوچ کو بدلنا زراعت کی مادی اور فنی بنیاد کو مضبوط کرنا اور دیہی آبادی کی ثقافتی سطح کو بلند کرنا ہوگا۔

بقیہ: تھرپارکر

اس سلسلہ میں انہیں جماعت کے ضلعی عہدیداروں کی حمایت حاصل ہے۔ آج کل ضلعی انتظامیہ بھی جماعتی صالحین سے قدرے خوفزدہ ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جماعت کے کارکن مراعات حاصل کر رہے ہیں اور عوام کے سامنے اس جماعت پر پڑا ہوا تھوڑا بہت پردہ بھی اٹھ گیا ہے اور اب عوام یہ سمجھ چکے ہیں کہ نظام اسلام کے نعروں کی آڑ میں بڑے بڑے دعوے کرنے والے جماعتی لیڈروں کو اپنے مفاد کے علاوہ کچھ بھی عزیز نہیں ہے۔

گزشتہ دنوں تھرپارکر "تحریک استقلال" کے ضلعی انتخابات ہوئے اور ان انتخابات میں سابق صوبائی نائب صدر قیوم شاہد گروپ کو عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے حریف گلاب خان ایڈووکیٹ نے انہیں ضلع کے پانچ صوبائی حلقوں سمیت ضلعی انتخابات میں ہرا دیا اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قیوم شاہد اور ان کے ساتھی ضلعی تنظیم میں اپنی غیر موجودگی سے کافی مایوس ہیں اور مخالف گروپ کے خلاف ان کی ایک چال بھی کامیاب نہ ہو سکی، عام خیال یہی کیا جا رہا ہے کہ وہ جلد یا بدیر تحریک کو خیرباد کہہ دیں گے۔ ان انتخابات میں بہت سے کارکنوں نے قیوم شاہد کو پہلی مرتبہ اپنے میں موجود پاکر سوالات کی بوچھاڑ کر دی جن کا وہ تسلی بخش جواب نہیں دے سکے۔ انہوں نے اپنی ناکامی کے بعد انتخابی کمیٹی کے افراد عبدالوالی خان انڑ (لاڑکانہ) علی نواز میمن (نوابشاہ) اور شیر محمد بھٹی (سانگھڑ) پر جانبداری برتنے کا الزام عائد کرتے ہوئے صوبائی اور مرکزی رہنماؤں کے نام تار روانہ کئے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ ان کے اعتراضات کے جواب کے بعد ہی فیصلہ کریں گے کہ پارٹی میں رہیں یا چھوڑ دیں لیکن ایک ذریعے سے پتہ چلا ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ پگارا گروپ سے اندرونی رابطہ قائم کر رکھا ہے جبکہ دوسری جانب کامیاب ہونے والے ضلعی صدر گلاب خان ایڈووکیٹ جو کہ سابق صوبائی صدر این کے جتوئی کے قریبی ساتھی سمجھے جاتے تھے۔ آج کل اپنے تعلقات موجودہ صوبائی صدر احمد میاں سومرو سے استوار کرنے میں وقت صرف کر رہے ہیں۔

مزدوروں کے صبر کا امتحان لیا جا رہا ہے

فیڈریشن آف آل پاکستان سیمنٹ یونینز

فیڈریشن آف آل پاکستان سیمنٹ یونینز نے ایک بیان میں مطالبہ کیا ہے کہ روہڑی سیمنٹ ورکس روہڑی کے گرفتار مزدوروں کو فی الفور رہا کیا جائے نیز فیڈریشن کے نائب صدر مولا بخش کے وارنٹ گرفتاری منسوخ کئے جائیں۔ فیڈریشن کی ایک میٹنگ میں فیصلہ کیا گیا کہ ان گرفتاریوں کے خلاف ملک بھر کی سیمنٹ انڈسٹری کے مزدور رضاکارانہ احتجاج کریں گے اور گرفتار مزدوروں کی رہائی اور فیکٹری سے پولیس ہٹائے جانے کا مطالبہ کریں گے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ فیڈریشن صنعتی امن اور سیمنٹ کی پیداوار بڑھانے کے مقاصد کو نہایت عزیز رکھتی ہے لیکن اسٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن کے ہٹ دھرم حکام کی مزدور دشمنی اور بیوروکریسی کی روایتی انانیت سیمنٹ جیسی اہم صنعت میں حالات خراب کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ فیڈریشن نے احتجاج کرنے سے پہلے اپنی شکایات کارپوریشن اور دوسرے متعلقہ حکام تک پہنچائیں اور روہڑی میں مزدوروں پر تشدد اور گرفتاریوں کے خلاف سیمنٹ ملازمین میں پائی جانے والی بے چینی اور اضطراب سے آگاہ کیا لیکن افسوس کا مقام ہے کہ متعلقہ حکام نے مزدوروں کے صبر کا امتحان لینا شروع کر دیا ہے اور چند نااہل اور صنعتی امن کے دشمن افسران کی جھوٹی انا کی تسکین کے لئے پوری انڈسٹری کے صنعتی امن کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ روہڑی سیمنٹ فیکٹری میں ۲۳ جنوری تک تقریباً ۵۰ مزدور گرفتار کئے جا چکے ہیں۔ لاٹھی چارج اور بہیمانہ تشدد کے ذریعے درجنوں مزدوروں اور ان کی عورتوں کو تشدد سے زخمی کیا گیا۔ فیکٹری میں خوف و ہراس پھیلایا گیا اور سینکڑوں کی تعداد میں پولیس متعین کر دی گئی ہے۔ فیڈریشن نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ فیکٹری کے معاملات میں مداخلت کر کے گرفتار مزدوروں کو رہا کرایا جائے اور نااہل افسروں کو برطرف کیا جائے۔

*

نئی تعلیمی پالیسی نامنظور

سندھ این ایس ایف

سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سکریٹری صفت رند نے ایک بیان میں نام نہاد نئی تعلیمی پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حقیقت کو پوری دنیا اور اقوام متحدہ میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ہر طالب علم کو تعلیم اس کی مادری زبان میں دی جائے۔ اس لئے جن طالب علموں کی مادری زبان سندھی، بلوچی، پشتو یا پنجابی ہے ان کو "نظریہ پاکستان" کی آڑ میں ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر کے ان پر زبردستی اردو زبان کو مسلط کرنا غیر انسانی، غیر فطری اور فاشی فعل ہے اور ایسی حرکت اردو کے لئے بھی باعث نفرت بن سکتی ہے کیونکہ کوئی بھی زبان اگر زبردستی مسلط کی جائے گی تو اس کے خلاف ردعمل پیدا ہونا ایک قدرتی بات ہے اس لئے حکومت کو چاہیئے کہ وہ طالب علموں اور عوام کو لسانی فرقہ واریت میں بانٹنے اور ان کو آپس میں لڑانے کے بجائے حقیقت کو تسلیم کرے، ہر سطح پر مادری زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دے، سندھی، بلوچی، پشتو اور پنجابی زبانوں کو قومی زبانیں تسلیم کرے اور جن طالب علموں کی مادری زبان اردو ہے ان کو متعلقہ صوبے کی زبان لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھائے تاکہ وہ بھی مقامی آبادی میں ضم ہو جائیں اور اردو زبان کو غیر سرکاری اور رضاکارانہ رابطے کی زبان سے زیادہ حیثیت دے کر قومیتوں پر مسلط نہ کیا جائے کیونکہ ایسا غیر فطری اور غیر جمہوری عمل اردو دشمنی کا عمل سمجھا جائے گا۔

انہوں نے مطالبہ کیا کہ تعلیمی پالیسی کو جمہوری، سیکولر اور سائنسی بنیادوں پر استوار کیا جائے اور "نظریہ پاکستان" کی رٹ لگا کر فرسودہ تعلیمی نظام اپنانے کے بجائے دنیا کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کے لئے تعلیمی پالیسی پر سنجیدگی سے غور کر کے تعلیم کو سستا اور عام کیا جائے، انہوں نے سوال کیا کہ آخر میڈیکل، ایگریکلچرل سائنس اور انجینئرنگ کی تعلیم کو "نظریہ پاکستان" سے کس طرح ہم آہنگ کیا جائے گا؟

•

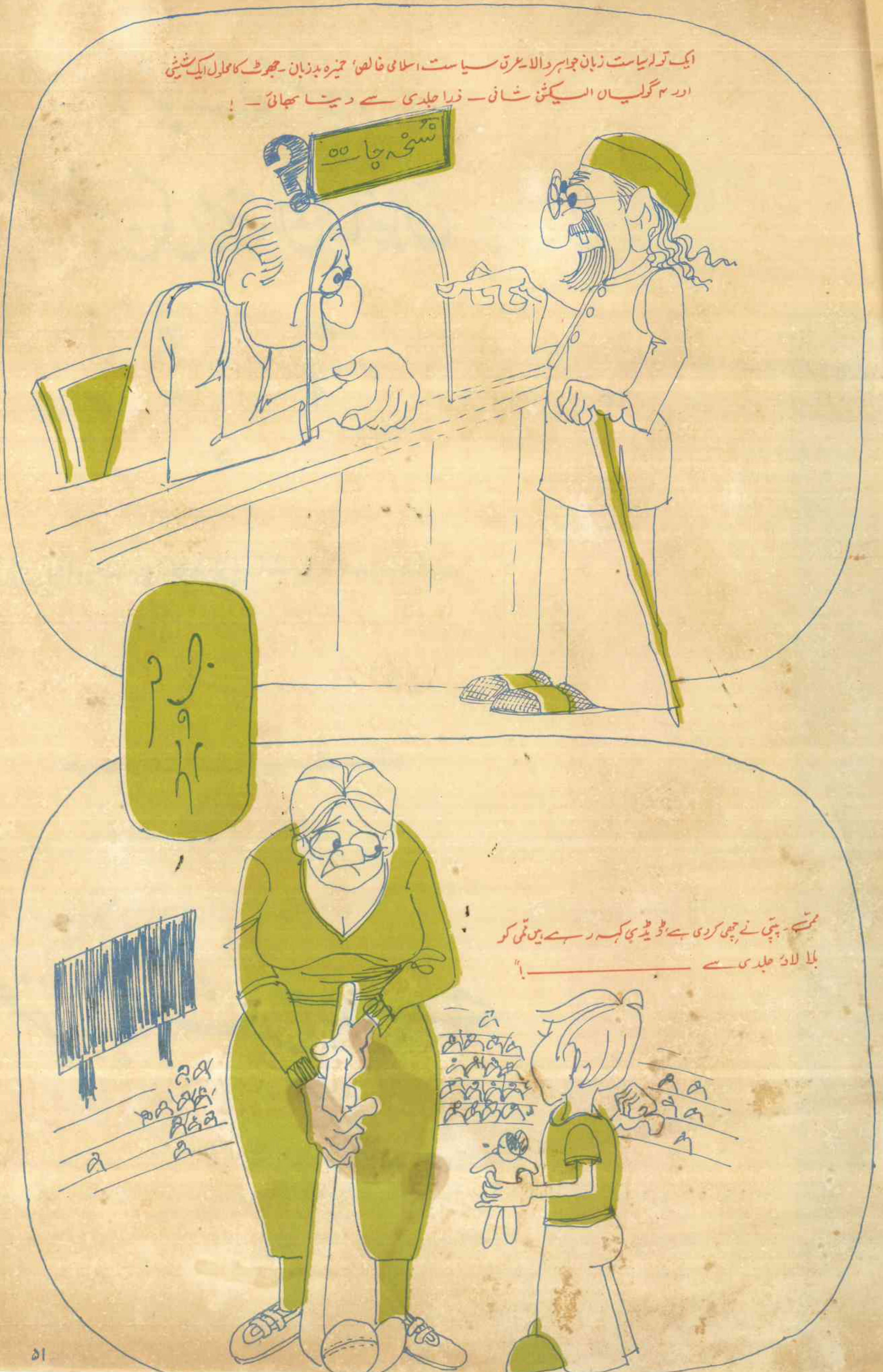
ایک تولہ سیاست زبان جواہر دالا عرق سیاست اسلامی خالص، خمیرہ بدزبان ۔ جھوٹ کا محلول ایک شیشی
اور ۴ گولیاں الیکشن شانی ۔ ذرا جلدی سے دینا بھائی ۔ !
نسخہ جات
ممی ۔ پپّی نے چھٹی کر دی ہے، ڈیڈی کہہ رہے ہیں ممی کو
بلا لاؤ جلدی سے ——— !"

دُنیا کے مشہور

مصنّفین کی بہترین کہانیاں

حیرت انگیز ✿ پُراسرار ✿ خوفناک

جُرم و سزا ✿ سُراغ رسانی ✿ مہم جُوئی

شکاریات ✿ طنز و مزاح

ناقابلِ فراموش ناول کی تلخیص

نفسیاتی اور جنسی الجھنوں پر سائنسی اور ماہرانہ مشورے

برصغیر کے نامور ادیبوں کی کہانیوں کا انتخاب

ڈائجسٹ سائز پر سب سے الگ ماہنامہ

خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ

؟

عنقریب شائع ہو رہا ہے

ماروی مطبوعات ○ کراچی ۲۹